وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (قرآن مجید-۴-۵۸)

برِصغیر پاک و ہند میں اسلامی نظامِ عدل گستری

پروفیسر محمد عبدالحفیظ صدیقی

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی

اسلام آباد

دروازے پر کوئی روک ٹوک نہیں ہوتی تھی۔ حضرت فاروق اعظم نے پہلی دفعہ قید خانے بنوائے تھے قید خانوں کی تعمیر کے بعد سزاؤں میں بھی تخفیف کر دی گئی۔ مثلاً متعدد دفعہ شراب نوشی کے جرم میں حد کی بجائے قید کی سزا دی گئی۔ ایک محکمہ افتاء بھی قائم ہوا اور خاص قابلیت کے لوگ مفتی کے عہدے پر مامور ہوئے۔

عہد مرتضوی | قانون شہادت کے سلسلے میں حضرت علیؓ نے ایک نئی اصلاح فرمائی تھی۔ جب گواہ پیش ہوں تو ان کا "تزکیہ" یعنی معتبری کے متعلق اہل محلہ وغیرہ کی رائے تو پہلے سے لی جاتی تھی اور قاضی شریح گواہوں کی حیثیت اور صداقت کے متعلق مخفی طور پر تحقیقات کرتے تھے لیکن حضرت علیؓ نے ایک اور طریقہ اختیار کیا کہ جھوٹے گواہوں کا اظہار لیتے وقت دوسرے گواہوں کو عدالت سے ہٹا دیتے تھے۔

اس عہد میں بھی صدر مملکت قانون مملکت کے تابع تھا اور یہ تصور پیدا نہ ہو سکا کہ مقتدر اعلیٰ قانون سے بالاتر ہے۔

مرافعہ کے وقت اگر ضرورت سمجھی جاتی تو از سر نو تحقیقات ہوتی اور بیانات قلمبند کئے جاتے۔ سزاؤں میں بھی کچھ تبدیلی کی گئی۔ مثال کے طور پر عہد مرتضوی کا ایک مقدمہ لیا جائے۔ تو ایک شخص نے صرف نقب لگایا تھا۔ چوری نہیں کی تھی۔ حضرت علیؓ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا بلکہ چند کوڑے لگوائے۔

شہادت پوری ہوئی تو حد کی سزا دی گئی ورنہ ملزم کو رہا کیا گیا۔ یہ اصول قرار دیا گیا کہ جھوٹی گواہی ثابت ہو جائے تو جو سزا ملزم کو دی جا سکتی تھی وہی سزا ایسے گواہ کو دی جائے گی۔

ٹاٹ کے مقدمات میں تاوان بقدر نقصان دلوایا۔ حد شرعی کے نفاذ میں موت واقع ہو جائے تو تاوان نفس نہیں ہوتا۔ ازالہ حیثیت کے مقدمہ میں حد مقرر نہیں تھی بلکہ حاکم وقت اپنی صواب دید سے تعزیر عاید کر سکتا تھا۔

(۱۲) غیر مسلم رعایا اور مستامنوں کے مقدمات ان کے شخصی قانون کے مطابق فیصل ہوتے تھے ان لوگوں کے لئے خصوصی عدالتیں قائم تھیں اور ان عدالتوں کے حکام غیر مسلم اور مستامن ہی مقرر کئے جاتے تھے۔

(۱۳) ملزم کو مقدمہ کی تحقیقات تک اور مدیون کو قرض کی ادائی تک حوالات میں رکھا جاتا تھا۔

Marfat.com

فوجداری کی علیحدہ عدالت نہ تھی بلکہ تمام جرائم کے معاملات ایک ہی قاضی کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ البتہ پولیس یعنی "احداث" کی طرف سے استغاثہ ہوتا تھا۔ قاضیوں کو ہدایت تھی۔ کہ غصے کی حالت میں فیصلہ نہ کریں۔ پیچیدہ مقدموں میں مشورہ کریں۔ جھوٹے دعوے جھوٹی شہادت اور جانب دارانہ بیانات کی صورت میں سخت احتیاط سے کام لیں۔ رشوت اور سفارش کی سخت ممانعت تھی۔

(۱۴) اموی اور عباسی خلافت

قاضیوں کے تقرر اور ان کی علیحدگی کے وقت عام اعلان ہوتا تھا۔ قاضی محدود اور غیر محدود اختیارات کے ساتھ مقرر ہوتے تھے۔ فرمانِ تقرر میں اختیارات کی صراحت ہوتی تھی اور قاضی ان اختیارات کے پابند ہوتے تھے۔ جو قاضی وسیع اختیارات کے ساتھ مقرر ہوتے تھے، ان کے حدود اختیارات بھی بہت وسیع ہوتے اور بعض مرتبہ انہیں انتظامی فرائض بھی سپرد ہوتے تھے۔ مثلاً ولی کا تقرر، موقوفہ جائداد کا انتظام، سزاؤں کا نفاذ اور تعمیل۔ وصایا اور امورِ متعلقہ کی نگرانی، ماتحت قاضیوں عدلیہ کے دیگر عہدے داروں اور شہود و امناء وغیرہ کی نگرانی۔

مرافعہ | باضابطہ عدالت مرافعہ نہ تھی، ایک مجلس قایم تھی۔ عدلیہ کا پورا انتظام اموی دور میں "ناظر المظالم" کے تابع تھا جس کا فرض تھا کہ غلط فیصلوں کی نظر ثانی کرے۔ مجلس میں مرافعے پیش ہوتے تو خلیفہ وقت سماعت کرتے تھے۔ قاضی خلیفہ وقت سے رائے بھی طلب کرتے تھے۔ خلافت راشدہ کی طرح اموی دور میں قاضی اجتہاد سے کام لیتے تھے۔ کسی مخصوص شخص کی تقلید یا پیروی نہیں کرتے تھے۔

عباسی دور | غیر مسلموں کے تمام دیوانی معاملات میں ان ہی کے مذہبی پیشواؤں یا ہم مذہب حکام عدالت کو اختیار سماعت دیا جاتا تھا۔ مسلمانوں کے دیوانی معاملات نبی ضبوں کے پاس پیش ہوتے۔ عباسی عہد میں قاضی القضاۃ کا نیا عہدہ قایم ہوا تھا۔

فوجداری یا تعزیری امور میں "صاحب المظالم" فصل خصومات کرتے تھے۔ فوجداری کی اعلیٰ ترین عدالت مرافعہ "دیوان الناظر فی المظالم" تھی۔ یہی مجلس نظم و نسق اور محکمہ عدلیہ کی نگرانی بھی کرتی تھی۔ اس کی صدارت خود خلیفہ کرتے تھے۔ خلیفہ کے غیاب میں کسی بڑے عہدہ دار مجاز کو صدارت کا اختیار دیا جاتا تھا۔ اس مجلس کے دیگر ارکان میں قاضی القضاۃ، حاجب، مملکت کے بڑے معتمدین اور بعض مفتی شامل تھے۔

Marfat.com

عدل گستری سے متعلق عام شکایتوں اور مرافعوں کی سماعت عباسی خلفاء خود کرتے تھے۔ بعد میں "صدر" کا خاص عہدہ وجود میں لایا گیا۔ جو ناظر المظالم کے اجلاس کی صدارت کرتا۔ بعض وقت وزیر تفویض بھی اس کی صدارت کرتا۔ کبھی وزیر تنفیذ یا گورنر کو خلیفہ صدارت کے لئے نامزد کرتا۔ بقول ماوردی صدر اصول نصفت کو بھی کام میں لاتا تھا۔

۱۱۷۶ء میں نورالدین محمود نے جو ایک بڑے فقیہ اور محدث بھی تھے، عدل گستری کے لئے ایک عدالت عالیہ قایم کی اور اس کا نام "دارالعدل" رکھا اور تمام عدالتیں ایک جگہ قائم کیں۔ ایوان میں قاضی کا حد درجہ ادب اور احترام ملحوظ رکھا جاتا۔ امیر و غریب حاکم اور عامی سب برابر سمجھے جاتے تھے۔

(۱۵) مسلمان ہندوستان میں:-

سندھ میں محمدؐ بن قاسم کا نظم و نسق محمدؐ بن قاسم نے ۷۱۲ء میں سندھ فتح کیا اور سندھ ایک عرصہ تک اموی اور عباسی خلافت کا ایک مشرقی صوبہ بنا رہا۔ سندھ کی مقامی حکومت کی ویسی ہی تشکیل کی گئی جو خلافت کے دوسرے صوبوں کی تھی۔ جہاں تک ہندو رعایا کا تعلق تھا، فصل خصومات میں شاستر پر عمل کیا جاتا تھا اور ان مقدمات میں شرع شریف داخل نہیں کی گئی بلکہ ذمی قانون بھی ان پر عاید نہیں کیا گیا۔ دیوانی مقدمات میں ہندوؤں کی قدیم پنچایتیں ہی فیصلے کرتی تھیں۔

مسلمان جو زیادہ تر سپاہی تھے، ان کے لئے قاضی مقرر تھے اور وہ مفتی کے مشورے سے شرع کے مطابق مقدمات فیصل کرتے۔ عام اور سیاسی جرائم میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق نہیں تھا۔ قاضی اور مفتی کے فیصلوں کا مرافعہ گورنر کی عدالت میں ہوتا تھا۔

زمانہ مابعد کے مسلمان فاتحوں نے اسی مثال کی پیروی کی تھی۔

پنجاب کی حکومت فتح سندھ کے تقریباً تین صدیوں کے بعد غزنویوں نے پنجاب میں اپنی حکومت قایم کی۔ اور اس کے بعد سلاطین دہلی نے آل سبکتگین کی دو سو سالہ حکمرانی کے تجربوں سے فائدہ اٹھایا اور خود غزنویوں نے سندھ کے نظام عدل گستری کی خوشہ چینی کی۔ غزنویوں کے آخری زمانے میں لاہور ہندوستان میں شاہانِ غزنی کا مرکز تھا۔ یہاں غزنوی حکمرانوں نے نظم و نسق کا جو ڈھانچہ بنایا تھا۔ وہ دلچسپی سے خالی نہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان لوگوں نے سندھ کے سیاسی تجربوں سے فائدہ اٹھایا۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے عباسی ادارات

Marfat.com

سے بھی استفادہ کیا۔

پہلے تو سامانیوں کے توسط سے اور پھر براہ راست خلافت کے ذریعہ یہ ادارات غزنی اور لاہور پہنچے تھے۔ سلطنت دہلی کے لئے اس کے کئی نقوش باقی رہ گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ غزنی اور دہلی کے بہت سے ادارات ایک دوسرے کے مشابہ بلکہ مشترک معلوم ہوتے ہیں

اس دور کے نظام عدل گستری کے متعلق خاطر خواہ مواد دستیاب نہیں ہوتا۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ سندھ کی عرب حکومت کی طرح غزنوی حکمرانوں نے دیوانی معاملات میں خود ہندوؤں کو پنچایتوں سے کام لیا اور ہندو پنڈتوں کو فصل خصومات کا اختیار دے دیا۔ مسلمانوں کے معاملات قاضی سے متعلق رہے۔ البتہ عام اور سیاسی جرائم میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق نہیں کیا گیا۔ عدل گستری کے دوسرے معاملات میں غزنویوں نے عباسیوں کی کبھی براہ راست اور کبھی بالواسطہ پیروی کی۔

ان غیر عربی اداروں میں جن کو غزنویوں نے بغداد سے حاصل کیا ایک عہدہ وزارت بھی تھا جس کو ایران قدیم کی یادگار سمجھنا چاہیئے۔ چنانچہ سامانی اقتدار سے آزاد ہونے کے بعد محمود غزنوی نے اپنی سلطنت میں اسی طرح کے وزیر مقرر کئے اور ابوالعباس فضل بن احمد اس کا پہلا وزیر مقرر ہوا تھا جو سلطان کا نائب سمجھا جاتا تھا۔

(۱۶) سلطنت دہلی

شہاب الدین محمد غوری نے ۱۱۹۲ء میں دہلی پر قبضہ کیا لیکن سلطنت دہلی کی ابتداء ۱۲۰۶ء سے ہوتی ہے جبکہ شہاب الدین کے انتقال پر قطب الدین ایبک ہندوستان کا خود مختار بادشاہ ہوا۔

جہاں تک حکومتی تنظیم کا تعلق ہے، مرکزی حکومت تو ترکی اور عباسی انداز کی تھی لیکن مقامی حکومتوں میں قدیم ہندوستانی نظام برقرار رکھا گیا۔ قطب الدین ایبک نے لاہور کے موجود الوقت اداروں کی خوشہ چینی کی اور غزنویوں کے بہت سے عہدہ داروں سے کام لیا۔ بلبن نے نظم و نسق کی بہت سی اصلاحات کیں اور شرع کی سختی سے پابندی کی۔ التمش اور بلبن کی حکومت میں علماء کو بہت دخل تھا۔

شمسی حکمرانوں کے بعد ۱۲۹۰ء میں خلجی خاندان برسر اقتدار ہوا۔ علاؤ الدین خلجی نے نظم و نسق کے بہت سے کامیاب تجربے کئے۔ لیکن اس نے نظم و نسق میں علما کو مداخلت کا موقع نہیں دیا

Marfat.com

اور اس کا دینوی قانون سلطان کی مرضی کا تابع تھا۔ ۱۲۲۱ء سے تغلق خاندان برسر اقتدار ہوا تو غیاث الدین نے نظم و نسق میں بہت سی اصلاحات کیں۔

عام نظم و نسق | مرکزی حکومت کی تشکیل ایسی ہوئی تھی، جیسے عباسی حکومت کی تھی۔ چنانچہ بغداد کے اہم ادارات جیسے دیوان مظالم، احتساب، اور مختلف درجہ کی عدالتیں دہلی میں قائم ہوگئیں۔ عدالتوں کے اختیارات اور فرایض عباسی قالب میں ڈھالے گئے۔ نظم و نسق کا سب سے بڑا عہدہ دار وزیر تھا۔ جس کا خاص کام مالیات کی تنظیم اور مالی محکمہ کی نگرانی تھا۔ اس کے علاوہ دیگر عہدہ دار بھی مامور ہوئے۔

قاضی ممالک محکمہ عدلیہ کا چیف جسٹس تھا، جو شرع کی پابندی کرواتا۔ فصل خصومات کے علاوہ صدر الصدور کے فرایض بھی انجام دیتا تھا۔ امیر داد قاضیوں کے فیصلوں کی تعمیل کرواتا تھا اور ملزمین اور خطاکاروں کو قاضی کے سامنے پیش کرتا تھا۔ بادشاہ مرکز میں نہ ہوتے تو اس وقت امیر داد عدالت مظالم میں مقدموں کی سماعت کرتا تھا۔ اس کے علاوہ کوتوال پولیس کا عہدہ دار تھا اور محتسب ملک کے اخلاق عامہ کی نگہداشت کے لئے مامور تھا۔ اشیاء کے نرخ اور مارکٹ کی نگرانی بھی محتسب کے سپرد تھی۔

صوبہ داری حکومت کی تشکیل ویسی ہی تھی جیسی مرکز کی ہوتی تھی۔ البتہ اس کا پیمانہ چھوٹا تھا۔ صوبوں میں گورنر یا ناظم سلطان کی نمایندگی کرتے تھے اور پورے صوبہ داری نظم و نسق کے ذمہ دار تھے۔ اسی طرح اور محکمے بھی تھے جو مرکز کے تابع تھے۔ مثلاً مالگذاری کا انتظام دیوان کو تفویض تھا اور اس کے ماتحت افسر "سرکار" میں عامل کہلاتے تھے۔ موضع نظم و نسق کی پہلی اکائی سمجھا جاتا تھا۔ جہاں مکھیا اور محاسب متعین تھے۔ دیہات کی پنچایت سے بھی کام لیا جاتا تھا۔

یہ مرکزی اور مقامی حکومت کا مختصر سا خاکہ ہے۔ جو قطبیوں، خلجیوں اور تغلقوں کے زمانے میں تقریباً یکساں طور پر موجود تھا۔

عدل | عدالتی عہدہ داروں پر بڑی بھاری ذمہ داری عاید تھی اور قاضیوں کو خلاف شرع فیصلہ کرنے پر موت کی سزا بھی دی جاتی تھی۔ التمش نے دادرسی کے لئے اپنے محل کے باہر زنجیر عدل لگائی تھی اور یہ دیکھنے کے لئے کہ عدل گستری خاطر خواہ ہو رہی ہے یا نہیں، وہ سلطنت کے دورے بھی کیا کرتا تھا۔ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ جس کسی کو کوئی مضرت پہنچے، رنگیں لباس پہنے تمام سلاطین عدل گستری کو ایک مقدس مذہبی فرض سمجھتے تھے۔ انصاف کے معاملے میں

بلبن نے خود اپنے رشتہ داروں یا بڑے افسروں کو بھی کسی رعایت کا مستحق نہیں سمجھا۔ مثال کے طور پر بلبن کے ایک بڑے درباری امیر ملک باربک نے اپنے کسی ملازم کو مار ڈالا تھا۔ اس کی بیوہ نے بلبن سے شکایت کی تو سلطان نے ملک باربک کو بیوہ کے سامنے اس طرح قتل کروایا جیسے مقتول مارا گیا تھا۔ بلبن نے ایک خفیہ محکمہ بھی قایم کیا تھا اور جاسوسوں کے ذریعہ محکمہ عدلیہ کی خوبیاں اور خرابیاں معلوم کرتا تھا۔

ابن بطوطہ، جس کو محمد تغلق نے دلی کا قاضی بنایا تھا، بہت سے واقعات کا تذکرہ کرتا ہے، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سخت گیر سلطان نے بھی قانون کی عظمت قایم رکھنے کی بڑی کوشش کی۔ ایک دفعہ محمد تغلق پیدل چلتا ہوا قاضی کے پاس آیا اور شیخ زادہ جامی کے خلاف شکایت کی کہ اس نے سلطان کو ظالم کہا تھا۔ ایک دفعہ قاضی کے سامنے بحیثیت مدعی علیہ بھی آیا اور اپنے خلاف فیصلہ سن کر خوش ہوا اور سزا قبول کی۔

کسی امیر نے قاضی کے سامنے شکایت کی تھی کہ سلطان نے اس کے بھائی کو بلا وجہ سزا دی ہے۔ سلطان محمد تغلق قاضی کے سامنے پیدل چلتا ہوا آیا اور قاضی کو ادب سے سلام کیا۔ خلاف فیصلہ ہوا تو سلطان نے مدعی کو ہرجہ ادا کیا۔ قاضی کو ہدایت تھی کہ سلطان عدالت میں آئے تو وہ سلطان کی تعظیم کے لئے کھڑا نہ رہے۔ ایک اور مقدمہ میں سلطان پر کسی شخص نے بقایا رقم کا دعوی کیا تھا۔ سلطان فوراً قاضی کے سامنے حاضر ہو گیا اور اس کی رقم ادا کر دی

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سلاطین دہلی نے ایک منظم عدلیہ قایم کیا تھا۔ عدالتوں میں کھلی تحقیقات ہوتی تھی۔ یہ اصول برقرار رہا کہ حاکم اسلام پر عدالت میں مقدمہ دائر ہو سکتا ہے اور وہ خود کسی پر مقدمہ چلا سکتا ہے۔

جب سلطان قطب الدین (۱۳۱۶ء - ۱۳۲۰ء) نے ایک نا اہل شخص یعنی ضیاء الدین کو قاضی القضاۃ بنایا تو شورش ہو گئی اور قاضی اور سلطان دونوں قتل ہو گئے۔

سلاطین اپنے مشورے کے لئے مفتیوں اور مجتہدوں کو دربار میں جگہ دیتے تھے اور یہ ماہرین قانون سلاطین کو صحیح اصول اور قانون سے واقف کراتے تھے۔ محمد تغلق نے اپنے محل میں چار مفتیوں کو مامور کیا تھا جن کے مشورے سے وہ فصل خصومات کرتا تھا۔

جس طرح ابتدائی خلفائے اسلام عدالتی فیصلوں کو مانتے تھے۔ اسی طرح سلاطین دہلی نے بھی اپنے آپ کو قانون ملک اور عدالتوں کا بالکل پابند بنا دیا تھا۔ عدالتوں کو فصل خصومات

Marfat.com

ہیں پوری آزادی حاصل تھی۔

خاص صورتوں میں سلاطین اپنے فرامین کے ذریعہ بھی کسی قانون کی توضیح کرتے یا قاضیوں کو ہدایتیں دیتے تھے۔

قانون سازی مسلمان حکمران کو اصولاً قانون سازی کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اختیار صرف اتنا ہے کہ ملک میں شرع کی پابندی کروائے۔ لیکن عملی طور پر دیکھا جائے تو ترک اور ہندوستانی سلاطین نے اپنے فرامین کے ذریعہ بہت سے نئے اصول اور قوانین کا اضافہ کیا۔ گو مذہبی قانون میں کوئی ترمیم نہیں ہوئی تھی۔ لیکن ملکی نظم و نسق کے شعبوں میں جدید قوانین وضع کئے گئے اور سچ پوچھو تو خود شرعی قوانین میں بھی بعض تبدیلیاں ہو گئیں۔ اسلام کا قانون تعزیرات تو بہت متاثر ہوا۔ اور اس زمانے سے جبکہ چار فقہی مذاہب پیدا ہوئے تھے، مغلوں کے خاتمے تک اسلامی قانون تعزیرات اور سزاؤں میں بہتری تبدیلیاں ہو گئیں۔ سلاطین دہلی کے فرامین کی بدولت "قانون شاہی" بہت ترقی پا گیا۔ نیز ذمیوں سے متعلق نئے اصول اور قوانین وقتاً فوقتاً وضع ہوتے رہے۔ ان امور میں اجتہاد کے اصول کو کارفرما سمجھنا چاہیئے۔

اسلامی حکمرانوں کو یہ حق حاصل تھا کہ سزاؤں کی تخفیف کر دیں۔ خلفاء راشدین نے اس حق کے استعمال میں بہت احتیاط کی۔ آٹھویں صدی عیسوی میں امیر معاویہ نے یہ حق استعمال کیا تھا۔ ادھر ہندوستان میں سلاطین دہلی نے تقریباً ہر قسم کے معاملات میں یہ حق استعمال کیا ہے۔ چنانچہ سرقے سے لے کر قتل اور ڈکیتی وغیرہ کی سزاؤں میں بھی تخفیف کر دی۔

خاص صورتوں میں سلاطین عدالتِ ابتدائی کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ چنانچہ ذی اقتدار امراء کے معاملات میں سلطان کو فصل خصومات کا خاص اختیار استعمال کرنا پڑتا تھا۔ سلطان کی حیثیت اعلیٰ ترین حاکم عدالت کی تھی۔ اس حیثیت سے وہ عدلیہ کی دیکھ بھال کرتے۔ عدلیہ کے عہدہ داروں کا تقرر کرتے۔ شاہ ازبکستان کی طرح صرف سلطان ہی عدالتیں قایم کر سکتے تھے۔

محکمہ قضاء یا محکمہ عدلیہ:- صدر مملکت کی حیثیت سے عدل گستری کے شعبے میں سلطان پر تین فرائض عاید تھے۔ پہلے یہ کہ وہ دین اسلام کا محافظ اور رعایا کے باہمی مناقشوں میں حکم کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس حیثیت سے وہ دیوان قضاء کے ذریعہ دادرسی کے فرائض انجام دیتا تھا۔ دوسرے وہ نظام حکومت کا صدر تھا اور اس حیثیت سے وہ دیوان مظالم کے ذریعہ دادرسی کرتا تھا۔ تیسری حیثیت یہ تھی کہ سلطان فوجوں کا اعلیٰ ترین افسر تھا اور اس حیثیت سے

Marfat.com

خود سلطان یا اس کے سپہ سالار فوجی عدالت (کورٹ مارشل) کا اجلاس کرتے تھے اور باغیوں کو سزا دیتے تھے۔

دیوان قضاء میں دو قسم کے عہدہ دار تھے۔ مفتی جو فنی اور قانونی رائے دیتے تھے دوسرے متفحص جو امور متعلقہ اور واقعات کی چھان بین کرتے تھے۔ ان کے علاوہ عاملانہ عہدہ دار اور اہل عملہ بھی تھے" امیر" اور" متصرف" کہلاتے تھے۔ تمام باغی دہلی بھیج دیئے جاتے تھے۔ اس لئے قیاس یہ ہوتا ہے کہ گورنروں کو سخت سزائیں دینے کا اختیار نہ تھا۔ جب کبھی دارالسلطنت سے ہدایت وصول ہوتی تو باغیوں کو صوبے میں بھی سزا دی جاتی تھی۔

دیوان مظالم | یہ ادارہ ایک منظم شکل میں حضرت عثمان کے زمانے سے چلا آتا ہے۔ عباسی خلفاء نے کبھی خود اس کی صدارت کی اور کبھی کسی وزیر کو ان فرائض کے لئے مامور کیا۔ دہلی میں سلطان کی عدم موجودگی میں امیر داد اس کی صدارت کرتا تھا۔ سکندر لودھی کے زمانے میں وزیر ہی دیوان مظالم کی صدارت کرتا۔ سلطان، امیر داد یا وزیر کو مشورہ دینے کے لئے قاضی ممالک دیوان مظالم کے اجلاس میں نشست کرتا تھا۔

دیوان قضاء | دیوانی مقدموں کی سماعت کی خاص شان تھی۔ دیوان قضاء اور محکمہ عدلیہ کا صدر قاضی ممالک ہوتا تھا۔ جس کو قاضی القضاۃ بھی کہتے تھے۔ سلاطین دہلی کے عہد میں صدر الصدور کا عہدہ بھی اسی میں ضم کر دیا گیا۔ قاضی القضاۃ کی بہت بڑی تنخواہ ہوتی تھی۔ محکمہ عدلیہ اور محکمہ امور مذہبی کے تمام معاملات اس سے متعلق تھے۔ وہ تمام ماتحت عدالتوں کے مرافعوں کی سماعت کرتا اور مقامی قاضیوں کا تقرر بھی کرتا تھا۔ دارالسلطنت میں ایک علیحدہ قاضی بھی ہوتا تھا۔

قاضی | ہر شہر اور قصبے میں قاضی مقرر ہوتے تھے۔ قاضی القضاۃ کا تقرر خود سلطان کرتا تھا اور اس عہدے پر ایسے بلند کردار اشخاص مامور ہوتے تھے جو فقہ کے جید عالم ہوتے تھے۔ جب سلطنت کے قواعد یا قوانین وضع ہوتے تھے تو قاضی القضاۃ سے مشورہ کیا جاتا تھا۔ ابتدائی زمانے میں تو قاضی کے فرائض فصل خصومات سے متعلق تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کے فرائض اور اختیارات میں توسیع ہوتی گئی۔ چنانچہ یتیموں اور مجنونوں کی جائداد کی نگرانی، وصایا کا انتظام، اوقاف کی نگرانی وغیرہ اس کے حدود اختیارات میں داخل ہو گئے۔

سلطنت دہلی کے زمانے میں کئی قاضی القضاۃ ایسے ہوئے ہیں جو غیر معمولی شخصیت اور قابلیت کے لوگ تھے۔ سلطان علاؤ الدین خلجی اور قاضی مغیث الدین میں اصول شرع کے بارے

میں جو کشمکش ہوئی، وہ تاریخ سے ظاہر ہے۔ قاضی اصول شرع کی اہمیت جتانا چاہتا تھا۔ اور سلطان کو خلفاء راشدین کے نقش قدم پر چلنے کی تلقین کرتا تھا اور اس سے سلطان اختلاف کرتا تھا

عدالت قاضی القضاۃ کے دیگر عہدہ دار یہ ہیں۔ مفتی۔ پنڈت۔ محتسب۔ دادبک جو انتظامی معاملات میں قاضی کی مدد کرتا تھا۔ (نمائل سررشتہ دار عدالت)۔ امیر داد جو عاملانہ اور انتظامی عہدہ دار تھا اور سلطان کی غیر موجودگی میں عدالت مظالم کی صدارت کرتا تھا اور گورنروں اور سپہ سالاروں کی شکایتیں سننے کا مجاز ہوتا تھا۔

(۱۷) سلطنت دہلی کے نظام عدل گستری کی چند خصوصیات:۔

دہلی کے بہت سے ادارات ایسے تھے جو بغداد کے ادارات سے مشابہت رکھتے ہیں۔ سلاطین دہلی نے غزنویوں اور پھر ان کے توسط سے سندھ کی عرب حکومت نیز سامانیوں وغیرہ کے تجربوں سے بھی فائدہ اٹھایا تھا۔ لیکن ان کے ادارات میں خلافت بغداد کے براہ راست اثرات بھی پائے جاتے ہیں۔ اس سے بظاہر یہ خیال ہو سکتا ہے کہ سلاطین دہلی جن ادارات سے کام لیتے تھے۔ وہ پچھلی پشتوں کے بنائے ہوئے تھے اور سلاطین کو اس میں کچھ اضافہ نہیں کرنا پڑا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان سلاطین نے پچھلے ادارات کی خوشہ چینی ضرور کی مگر ان کو جوں کا توں نہیں رکھا بلکہ ان کو ہندوستانی ماحول اور ہندوستانی قالب میں ڈھال دیا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اس زمانے میں جب کہ دنیا کی اکثر مملکتیں نظم و نسق میں ناکام تھیں اور انتشار پھیلا ہوا تھا، ان سلاطین نے بڑی کامیابی سے ایک اچھا نظم و نسق قایم کیا۔ عدل گستری کے اس ادارے میں جو اُن کو باہر سے ملا تھا، انہوں نے بہت سے اضافے بھی کئے۔ اس کی حسب ذیل خصوصیات قابل غور ہیں۔

(۱) پہلی خصوصیت محتسب کا تقرر ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے جو خلاف شرع و اخلاق زندگی گزارتے تھے، محتسب مقرر کئے گئے اور ان کے فرائض اتنے وسیع تھے کہ وہ افراد مملکت کی خانگی زندگی کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھتے تھے۔

(۲) قاضی اور تمام عہدہ داران مملکت کی خدا ترسی۔ قاضی اور مملکت کے دیگر عہدہ دار محض سرکاری ملازمت کی خاطر نہیں بلکہ اپنے ضمیر کو سامنے رکھ کر اور خدا سے ڈر کر نظم و نسق کا کام کرتے تھے۔ ایسے واقعات بھی ہیں کہ قاضیوں نے بعض سلاطین کو جب وہ حد سے تجاوز کرتے، یا جادۂ حق سے گریز کرتے پائے گئے سختی سے ٹوک دیا اور حق بات بتانے سے گریز نہیں کیا

(۳) دیہی پنچایتوں کی سرپرستی۔ دیہی پنچایتوں کو سلاطین دہلی نے قایم رکھا اور قدیم دیہی

نظم و نسق سے پورا فائدہ اٹھایا۔

(۴) محمد تغلق کے زمانے میں ایک نیا محکمہ "دیوان سیاست" بنایا گیا تھا، جو سنگین جرائم کی گرفت کرتا تھا اور سزائیں دیتا تھا۔

(۵) فیروز تغلق نے تعزیری سزاؤں میں جو حسب شرع مقرر تھیں ترمیم کی اور ایک نئے ضابطہ قانون کی بنا ڈالی۔

(۶) عدالتی کارروائیوں سے واقف ہونے اور عدالتوں کو صحیح راستے پر چلانے کے لئے سلاطین دہلی عدالتوں سے باخبر رہتے تھے اور اخبار نویسوں کی روزانہ روائداد سے عدالتوں کی تمام خبریں مل جاتی تھیں۔

(۷) دیوانی مقدمات میں جو ہندو رعایا سے متعلق ہوتے تھے، پنڈتوں سے کام لیا جاتا تھا۔ بغداد میں غیر مسلموں کے معاملات میں بھی یہی طریقہ عمل تھا۔

(۸) ایسے قاضی جو نااہل یا بدکردار ثابت ہوتے تھے، فوراً خدمت سے الگ کر دیئے گئے۔

(۹) وزیر یا وزیر اعظم کو خاص مقدموں میں اختیار سماعت حاصل تھا۔ بغداد میں بھی یہی طریقہ رائج تھا۔

(۱۰) سلاطین دہلی نے ہندوستان کے قدیم نظم و نسق سے بھی فائدہ اٹھایا۔

(۱۱) سلاطین دہلی نے رسم و رواج کو بھی اپنے نظام میں جگہ دی تھی اور اس کا اثر یہ ہوا کہ ہندوستانی رسوم مسلمانوں کی زندگی میں ایسے اثر انداز ہوئے کہ وہ جزو لاینفک ہو گئے۔

(۱۲) عدلیہ کو عاملہ سے علیحدہ رکھنے کی کوشش کی گئی۔

(۱۳) اسلام کا بنیادی اصول کہ کوئی مسلمان حکمران قانون سے بالاتر نہیں، پوری طرح مسلم تھا۔ چنانچہ دیگر افراد مملکت کی طرح سلاطین بھی قاضی کی عدالت میں حاضر ہوتے تھے۔

(۱۸) بہمنی سلاطین :-

خلجیوں اور تغلقوں کے دور میں دکن میں جو ادارات قائم ہوئے، وہ سلطنت دہلی کے آفریدہ تھے۔ نظام عدلی گستری بھی دہلی کا آوردہ تھا۔ قطب الدین مبارک شاہ کے دور میں دکن پر خلجی سلطنت کی براہ راست عملداری قائم ہو گئی تو پھر دکن سلطنت دہلی کا ایک صوبہ بن گیا۔ اور یہاں خلجی صوبہ دار امراء اور دیگر عہدہ دار مامور ہو گئے۔ جب ۱۳۳۷ء میں ہندوستان کے دو پایۂ تخت قرار دیئے گئے۔ یعنی دہلی کے علاوہ دولت آباد بھی پایۂ تخت بنایا گیا۔ تو دلی کے

Marfat.com

تمام ادارات ایک ایک کر کے دکن منتقل ہو گئے۔ چنانچہ دکن میں دلی کا صوبجاتی نظام بھی قایم ہو گیا۔ جب دکن میں بہمنی سلطنت کی داغ بیل پڑی تو جو ادارات دکن کو خلجیوں اور تغلقوں سے ورثے میں ملے تھے، وہی بہمنی نظم و نسق کے اجزائے ترکیبی بن گئے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ جو نظام عدل گستری عرب سے نکل کر دلی آیا اور پھر دلی سے بلا واسطہ یا بالواسطہ دکن پہنچا اور بہمنی سلطنت کے نظم و نسق کا جزو بنا اُس کے خدوخال کیا تھا۔ اس میں بہمنیوں نے کیا تبدیلیاں اور اضافے کئے۔

بہمنی سلاطین جو ۱۳۴۷ء سے دکن کی سیاسی کشتی کے ناخدا بنے، وسطی دکن کے بڑے تمدنی معمار ہیں۔ بعض بہمنی سلاطین بڑے عالم اور غیر معمولی قابلیت کے حامل تھے۔ ان کے نظم و نسق میں دور اندیشی اور سیاسی دانائی پائی جاتی ہے۔ بہمنی سیاست میں جمہوریت کی بعض جھلکیاں بھی دکھائی دیتی ہیں، جو عرب سے متوارث ہوئی تھیں۔ چنانچہ اسماعیل مخ کو جو دکن کا پہلا خود مختار حکمران تھا، تمام "امیران صدہ" اور دکن کے مسلمانوں نے منتخب کیا تھا اور اس کے دو سال بعد جب حسن جیسی لائق اور موزوں شخصیت پر نظر پڑی تو پھر آخر الذکر کو تخت پر بٹھا دیا۔ اس انتخاب میں خود ناصر الدین شاہ (اسماعیل مخ) بھی شریک تھا۔ لیکن جب علاؤ الدین حسن نے بستر مرگ پر اپنے بیٹے محمد خاں کو جانشین نامزد کر دیا تو پھر شاہی موروثی ہو گئی جسے ایرانی و ہندوستانی روایات کی یادگار کہنا چاہیئے۔ تاہم اس کے جواز کے لئے بغداد اور دلی کی طرح یہ صورت نکالی گئی کہ امرا فضلاء اعیان ملک، سادات، مشایخ اور جمہور سے بیعت لی جانے لگی۔ جب علاؤ الدین ثانی نے ہمایوں کو تخت کے لئے نامزد کیا تو ارباب سیاست نے ہمایوں کو ناموزوں سمجھ کر اس کی جگہ حسن خان کو تخت نشین کر دیا اور اس کی وجہ سے خانہ جنگی ہو گئی۔ اس کے بعد دوسری مثال فیروز شاہ بہمنی کی ہے۔ اس نے اپنے بیٹے کو جانشین کرنا چاہا تو عوام نے اس کی مخالفت کی اور اس کے بھائی احمد خان کو بادشاہ بنا دیا۔ اب رہا حکومت کا چلن تو وزرا بادشاہ کو مشورے دیتے تھے۔ اور علما بادشاہ پر نکتہ چینی کرتے تھے۔ حضرت زین الدینؒ نے محمد شاہ اول پر نکتہ چینی کی اور اسے شرع کا پابند بنایا۔ بہمنی سلطنت کے لئے ایک دستور بھی مرتب ہوا تھا۔ اس میں بادشاہ کے اختیارات، فرایض اور حقوق کا تذکرہ پایا جاتا ہے اور رعایا کے حقوق و فرایض کی وضاحت بھی ہے۔ اس طرح بہمن شاہی شمال کی "رعایا پرور شخصی حکمرانی" سے آگے بڑھ گئی تھی اور اس میں "دستوری شاہی" کا رنگ جھلکتا تھا۔ "بہمنی شاہی میں" بادشاہ مع وزراء" کی شان پائی جاتی تھی۔

دیوان میں وزراء کی مجلسیں ہوتی تھیں، جن میں بادشاہ اور وزراء آپس میں مشورہ کرتے تھے اور اگر بادشاہ غلطی کرتا تو وزراء اس کو ٹوکتے تھے۔

عام نظم ونسق | بہمنیوں کے نظم ونسق کو دو ابواب یعنی مرکزی اور مقامی حکومت کے تحت دیکھنا چاہیئے۔ مرکزی حکومت کی اعلیٰ ترین شخصیت خود سلطان کی ذات تھی۔ یہ "دربار" اور "دیوان" میں اپنے فرائض انجام دیتا تھا۔ دربار اصل میں ایک بڑا ایوان تھا جس میں مملکت کے بڑے عہدہ دار جمع ہوتے تھے۔ اس کا اجلاس ہر روز صبح سے دوپہر تک ہوتا تھا۔ اور اس دربار میں نہ صرف فرامین شاہی جاری ہوتے تھے بلکہ مرکزی اور مقامی حکومتوں کی اطلاعات وصول ہوتی تھیں اور رعایا کی شکایتوں کی سماعت ہوتی تھی۔ "دیوان" میں وزراء کا اجتماع ہوتا تھا۔ وزراء کے تصفیوں کو اکثر بادشاہ تسلیم کر لیتا تھا۔ دیوان کے اجلاس بھی روزانہ ہوتے تھے اور دیوان میں صرف سیاسی اور مملکتی امور طے پائے تھے۔ محمد شاہ اوّل کے عہد میں وزراء کی تعداد آٹھ مقرر تھی اور ہر وزیر کے ذمہ ایک قلمدان وزارت ہوتا تھا۔ ان میں سے ایک وزیر اعظم بھی تھا جس کو وکیل السلطنت یا وکیل مطلق کہتے تھے۔ یہ تمام وزراء کا صدر اور سلطان کا نائب تھا۔ وکیل کو سلطنت دہلی کی طرح "ملک نائب" کہا جاتا تھا۔ ملک سیف الدین غوری اور خواجہ محمود گاواں جیسی عالی مرتبت شخصیتیں اس عہدے پر فائز رہی ہیں۔

سلاطین اپنے وزراء اور دیگر عہدہ داروں کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے اور ان کے ساتھ تعاون کرتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وزرا اور دوسرے بڑے افسروں کی گرفت بھی ہوتی تھی اور جہاں ان سے غلطی سرزد ہوتی، سزا بھی دی جاتی تھی۔ مثلاً دلاور خاں افغان کو جو وزیر خارجہ تھا، علاؤالدین ثانی نے رشوت کے الزام میں معزول کر دیا اور اس سے اعزازات واپس لے لئے۔

مرکز کی طرح صوبوں کی حکومت بھی باقاعدہ تھی۔ مملکت کو مختلف انتظامی حلقوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور ہر حلقہ میں متعلقہ افسر مامور تھے۔ ان انتظامی حلقوں کی سب سے بڑی اکائی "طرف" تھی جس کو مغل شہنشاہ "صوبہ" کہتے تھے۔ طرف سے مزید تقسیم "سرکاروں" میں کی گئی تھی اور ہر سرکار میں متعدد "پرگنے" تھے۔ ہر پرگنے میں کئی موضع تھے اور اس طرح "موضع" نظم ونسق کی ابتدائی اکائی تھا۔

بہمنی سلطنت میں ہندو بھی نظم ونسق میں شریک تھے۔ ہندوؤں کے ساتھ یہاں تک رواداری کی گئی کہ ان کے مندر بنوا دیئے گئے اور معافیاں مقرر کی گئیں۔

Marfat.com

عدل اور شرع اسلام :- بانی سلطنت حسن پہلا بادشاہ ہے، جس نے دکن میں تمام شعائر اسلام جاری کئے تھا اگرچہ جنگ و جدل میں بھی اس نے اسلامی اصولوں کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ مثال کے طور پر مال غنیمت اس نے فوجوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ داد خواہوں کی فریاد سنتا تھا۔ فیروز شاہ مصحف پاک کی کتابت سے اور اس کی بیوی لباس پر نقش کر کے اپنی روزی مہیا کرتے تھے۔ احمد شاہ کو "امام عادل" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور یہ دلی کے نام سے مشہور ہے۔ جب نرسنگ رائے کی مدد کے لئے الغ خاں آیا تو احمد شاہ نے اس سے لڑنے کے لئے علماء سے فتوی حاصل کیا اور جنگ کے بعد سپاہیوں میں مال غنیمت تقسیم کیا۔ سلطان علاؤ الدین ثانی کبھی کبھی جمعہ اور عیدین میں جامع مسجد میں خطبہ بھی پڑھتا تھا۔ ایک دفعہ خطبہ میں اس نے اپنے لئے کچھ القاب استعمال کئے تو ایک عرب تاجر نے اعتراض کر دیا اور کہا کہ مجھ پر ظلم ہوا ہے۔ سلطان نے عرب کے نقصان کی تلافی کرا دی اور پھر مرنے تک باہر نہیں آیا۔

کم و بیش ہر سلطان نے اپنے جانشین کو عدل و انصاف کی تلقین کی۔ سلاطین بہمنی عفو و درگزر سے بہت کام لیتے تھے۔ تاریخ میں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ چنانچہ ایک سرکش امیر معین الدین نے لڑائی کے بعد معافی چاہی تو علاؤ الدین حسن نے اسے معاف کر دیا۔ اسی طرح نرائن کو بھی معافی چاہنے پر معاف کر دیا۔ محمد شاہ ویلم پٹن کی مہم سے واپس آ رہا تھا تو عین راستے میں راجگان تلنگ نے حملہ کر دیا اور شکست کھائی۔ ان کے معافی چاہنے پر سلطان نے معاف کر دیا۔ مجاہد شاہ نے اپنے تمام حملوں اور لڑائیوں میں محمد شاہ کی وصیت کے بموجب کبھی قتل عام نہیں کیا۔ محمد شاہ دوم کہتا تھا کہ بادشاہوں کو ضرورت سے زیادہ خرچ نہیں کرنا چاہیئے۔ کیوں کہ خزانہ اہل ملک کی امانت ہے، ہمسایہ راجہ دیو رائے نے ایک سنار کی لڑکی کو زبردستی حاصل کرنے کی غرض سے مدگل پر حملہ کیا تھا اور بعد میں سنار اپنی بیٹی کو لے کر وہاں سے فرار ہو گیا تو محض اپنی رعایا کی خاطر فیروز شاہ نے دیو رائے پر حملہ کر دیا اور اسے شکست دی۔ پھر اس کے معافی چاہنے پر اس کو معاف کر دیا۔

عدل کے معاملہ میں سلاطین بہمنی سختی سے کام لیتے تھے۔ ایک سید کی بے عزتی کرنے کے الزام میں احمد شاہ نے شیر ملک جیسے عہدہ دار کو موت کی سزا دے دی۔ علاؤ الدین ثانی نے حضرت بندہ نواز رح کے پوتے کو بھی نہیں چھوڑا شراب نوشی و عیاشی کی علت میں اس کو پوری سزا دی۔ شہزادہ مجاہد نے خزانہ شاہی سے کچھ روپیہ چرا لیا تو محمد شاہ اوّل نے اسے سزا دی۔ ہندوؤں کے ساتھ رواداری برتی جاتی تھی۔ اور ان سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔

Marfat.com

قانون | دیگر مسلمان حکمرانوں کی طرح بہمنی سلاطین بھی قانون سازی کے اختیارات نہیں رکھتے تھے اور ان کا فرض صرف اتنا تھا کہ ملک میں شرع اسلام کی پابندی کروائیں لیکن غور سے دیکھا جائے ۔ تو سلاطین دہلی کی طرح بہمنیوں نے بھی اپنے فرامین کے ذریعہ بعض نئے اصول اور قوانین وضع کئے تھے ۔ گو مذہبی قانون مستثنیٰ تھا لیکن عام قانون میں ترمیم ہوئی ۔ تعزیرات اور سزاؤں میں دلی کی طرح یہاں بھی بہتری تبدیلیاں ہوئی ہیں ۔

محکمہ عدلیہ | بہمنیوں کا عدالتی انتظام بالکل شرع شریف کے مطابق تھا ۔ قاضیوں کو عدالت کا کامل اقتدار حاصل تھا ۔ عدالتیں شرعی قانون پر عمل کرتی تھیں اور سلطان کے علاوہ صدر، قاضی، مفتی، محتسب وغیرہ بھی شرعی احکام کے اجرا میں کسی قسم کی تاخیر جائز نہیں سمجھتے تھے ۔

بہمنی سلاطین عدالتوں کا معائنہ بھی کرتے تھے ۔ فریقین مقدمہ کے بیان سنتے اور حاکم عدالت کے فیصلوں کو خود بھی جانچتے تھے ۔ اس کے علاوہ حسب ضرورت قاضیوں کی رہنمائی بھی کرتے تھے تاکہ فیصلے حقیقی انصاف پر مبنی ہوں ۔

بانی سلطنت علاؤالدین حسن نے محکمہ قضا پر خاص توجہ مبذول کی تھی اور عدلیہ کے انتظام کا جو خاکہ مرتب کیا تھا، وہ اس کے جانشینوں کے زمانے میں بھی قایم رہا ۔ البتہ فیروز شاہ نے "دفتر شاہی" کے نام سے ایک اور عدالت قایم کی تھی ۔ یہ گویا پریوی کونسل کے مماثل ادارہ تھا ۔ اور وکیل مطلق کو تفویض تھا ۔ مملکت کی عدالتوں کے اہم فیصلے دفتر شاہی میں آتے تھے ۔ وکیل مطلق ان کی جانچ پڑتال کر کے بادشاہ کے ملاحظہ میں گزرانتا اور جو فیصلے صحیح ہوتے وہ واپس کر دیئے جاتے ۔ دیوانی اور فوجداری کی علیحدہ علیحدہ عدالتیں تھیں اور محتسب اور قاضی عسکر کے بھی علیحدہ دفتر تھے ۔

سزائیں | علاؤالدین ثانی نے صرف حبس دوام کی سزا دی تھی جو اس کی سخت سے سخت سزا تھی ۔ لیکن قصاص کی سزاؤں میں جو قاضیوں کے حکم سے دی جاتی تھیں، سلاطین مداخلت نہیں کرتے تھے ۔ اس دور میں سب سے زیادہ سزائیں باغیوں کو دی گئیں ۔ سزا دینے سے پہلے مفتیوں اور فقیہوں کا فتوی ضرور حاصل کیا جاتا تھا ۔ قتل اور کبھی جلا وطنی کی سزا دی گئی ۔ اکثر صورتوں میں معاف بھی کر دیا گیا ۔

باغیوں کی تعزیر کے بعد دوسری بڑی سزائیں چوروں اور ڈاکوؤں کو دی گئیں ۔ مثال کے طور پر محمد شاہ اول نے ۶-۷ ماہ میں بیس ہزار رہزنوں کو قتل کیا تھا ۔ ظالموں کو جو رعایا پر ظلم کرتے تھے، نیز قمار بازوں اور اشرار کو بھی سخت سزائیں دی جاتی تھیں ۔ سکہ گلا دینا بھی سنگین

Marfat.com

جرم تھا اور صراقوں کو اس جرم کی پاداش میں قتل کی سزا دی گئی نہ صرف قاتل کو قتل کی علت میں بلکہ شریک جرم کو موت کی سزا دی گئی۔ توہین بھی سنگین جرائم میں شامل تھا۔ اور بعض دفعہ اس علت میں سزائے موت دی گئی۔ سزا سے شہزادے یا سربرآوردہ اشخاص بھی بالا نہ تھے۔

ایک عورت کا دلچسپ مقدمہ تاریخ میں درج ہے۔ اس پر چار مردوں سے زنا کا الزام تھا۔ زانیہ نے قاضی کے سامنے بیان کیا چوں کہ مرد کے لئے چار عورتیں جائز ہیں۔ اس لئے مجھے یہ غلط فہمی ہوئی کہ عورت کے لئے بھی چار مرد جائز ہو سکتے ہیں۔ اسی غلط فہمی اور شبہ میں میں نے اس جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ اب گناہ سے آگاہ ہوئی ہوں۔ آئندہ اجتناب کروں گی۔ قاضی صاحب عورت کے جواب سے متفکر تھے کہ کیا فیصلہ کریں۔ اس وقت سلطان محمد شاہ دوم دارالقضاء میں معائنہ کی غرض سے آئے ہوئے تھے۔ قاضی سے کہا کہ شرع میں شبہ سے حدود ساقط ہو جاتے ہیں۔ اس عورت کو چھوڑ دینا مناسب ہوگا۔ چنانچہ عورت شبہ کی بناء پر حدِ شرعی سے نجات پا گئی۔

(۱۹) بہمنی نظام عدل گستری کی امتیازی خصوصیات یہ ہیں :-

۱۔ نظام کی اصطلاح کبھی استعمال نہیں ہوئی۔ فوجداری عدالت اور محکمہ فوجداری کی اصطلاحیں رائج تھیں۔

۲۔ موجودہ زمانے کی پریوی کونسل کی طرح وسطی دکن میں "دفترِ شاہی" قایم تھا۔

۳۔ "صدر" مملکت کے آٹھ وزراء کی صف میں جگہ پاتا تھا۔ ان آٹھ وزراء سے بہمنیوں کی کابینہ تشکیل پاتی تھی۔ صدر نہ صرف سلطنت کی عدلیہ اور محکمہ امور مذہبی کی صدارت کرتا تھا۔ بلکہ قاضی القضاۃ بھی تھا

۴۔ دکن میں محتسب، صدر جہاں اور قاضیوں کا ماتحت سمجھا جاتا تھا۔ برخلاف اس کے وہ دہلی میں امیر داد کا ماتحت متصور ہوتا تھا۔

۵۔ امیر داد یا داد بک کی اصطلاحیں بہمنیوں کے ہاں نہیں پائی جاتیں۔ یہاں فوج دار کا نیا نام ملتا ہے۔

۶۔ قاضی، مفتی، محتسب، وغیرہ کو دکن میں تنخواہوں کے عوض جاگیریں دی جاتی تھیں۔

۷۔ وکیل مطلق یا وزیر اعظم عدلیہ سے بھی وابستہ تھا۔ یعنی وہ دفترِ شاہی کی صدارت کرتا تھا اور سلطان کا نائب تھا۔

۸۔ بعض دفعہ دہلی میں صدر جہاں اور قاضی القضاۃ کے عہدوں پر علیحدہ علیحدہ اشخاص مامور تھے دکن میں ہمیشہ ایک ہی عہدہ دار دونوں فرائض انجام دیتا تھا۔

Marfat.com

۹۔ قاضیوں سے سیاسی کام بھی لئے جاتے تھے۔ بعض وقت قاضیوں نے فوجوں کی رہنمائی کی اور ملکی انتظام میں بھی حصّہ لیا۔ اسی طرح محتسب کو حاجب بھی بنایا گیا۔

۱۰۔ دکن میں امیر حاجب کی اصطلاح نہیں پائی جاتی۔ اس کی جگہ باریک کا عہدہ ملتا ہے۔

۱۱۔ ہندوؤں سے جزیہ نہیں لیا گیا۔ بانی سلطنت نے ستی کی رسم موقوف کی۔

۱۲۔ حدود شرعی کا نفاذ ہوتا رہا لیکن عفو و درگزر سے زیادہ کام لیا گیا اور سزا دہی میں نرمی اختیار کی گئی۔

۱۳۔ سزا کے معاملے میں چھوٹے بڑے سب مساوی سمجھے گئے۔

(۲۰) احمد نگر کے سلاطین :۔

بہمنی سلطنت کے خاتمہ کے بعد اس کے کھنڈروں پر دکن کی جو پانچ سلطنتیں قایم ہوئی تھیں، ان میں احمد نگر، بیجاپور اور گولکنڈہ کی بڑی سلطنتیں ہیں اور ان کی بڑی تاریخ ہے۔ یہ سلطنتیں کم و بیش دو سال قایم رہیں اور اگرچہ یہ بہمنی نظم و نسق کی پیرو تھیں لیکن بہمنی ڈھانچے میں ان کی خاص اختراعیں بھی ہوئی ہیں۔

۱۴۹۰ء سے احمد نگر کی نظام شاہی سلطنت شروع ہوئی۔ یہ موروثی شاہی تھی۔ چوتھے سلطان مرتضیٰ نظام شاہ اوّل نے نظم و نسق اور عدالتی انتظام میں بڑا حصّہ لیا تھا۔ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ نظام شاہی دور میں سلاطین سے زیادہ وزراء نظم و نسق میں ذمہ دارانہ کام کرتے تھے۔

بانی سلطنت احمد نظام الملک تو سنی تھا۔ لیکن اس کے جانشینوں نے اثنا عشری مذہب اختیار کر لیا۔ سلطنت کے بڑے عہدہ داراء قاضی وغیرہ زیادہ تر شیعہ مذہب کے پیرو تھے۔ تاریخ سے اس بات کی وضاحت نہیں ہوتی کہ شیعہ قاضی سنیوں کے مقدموں میں کس فقہ سے فیصلہ صادر کرتے تھے۔ سنی یا شیعہ۔ تعزیری مقدموں میں تو اختلاف فقہ کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔ کیوں کہ تعزیرات میں بالکل یکسانیت ہے۔

نظام شاہی سلاطین نے بہمنی انداز میں وزرا مقرر کئے۔ نظم و نسق کے لئے ایک بڑا محکمہ قائم تھا، جیسے دیوان ارباب الرسوم والقضاۃ کہتے تھے۔ یہ محکمہ زراعتی، مالی، عدالتی، اور دیگر انتظامی شعبوں پر حاوی تھا۔

امرا اور رعایا کے اصرار پر بعض دفعہ وزراء کو معزول کیا گیا۔ رعایا کے ساتھ کسی وزیر یا عہدہ دار کا سلوک اچھا یا منصفانہ نہ ہوتا تو اس کو بھی موقوف کر دیا گیا۔ خیانت اور بد اخلاقی

Marfat.com

کی علت میں اکثر عہدہ دار اور وزیر برطرف ہوئے ہیں۔

عدل پرستی نظام شاہیوں کی عدل پرستی کئی واقعات سے ظاہر ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ دلپت رائے اور مسند عالی میں جھگڑا ہو گیا تو بانی سلطنت احمد نے ان دونوں کو نصیحت کر کے کہا کہ جو لوگ شاہی ملازمت اختیار کرتے ہیں، ان کے لئے حکما نے پانچ نصیحتیں کی ہیں۔ اوّل یہ کہ شعلہ خشم کو آب حلم سے بجھائیں۔ دوسرے یہ کہ وسوسہ شیطان سے پرہیز کریں۔ تیسرے یہ کہ حرص و حسد اور طمع کو اپنی عقل پر حاوی نہ ہونے دیں۔ چوتھے یہ کہ ہر کام راستی اور دور اندیشی کے ساتھ کیا کریں۔ پانچویں یہ کہ جو واقعات اور حادثات پیش آئیں، نرمی اور اخلاق کے ساتھ ان کی تلخی دور کریں۔

مرتضیٰ نظام شاہ اوّل نے سلطنت کے کاروبار سید قاضی وکیل السلطنت کو تفویض کر دیئے کیوں کہ وہ اپنے میں حکمرانی کی صلاحیت نہیں پاتا تھا۔ تفویض اختیارات کے وقت اس نے کہا کہ میں امور سلطنت میں غور و فکر کے ساتھ کام کرنے کے قابل نہیں رہا ہوں اور اس لئے عدل کی بجائے ظلم اور ظلم کی بجائے عدل واقع ہو سکتا ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اپنے دوش کا بار سید قاضی پر ڈال دوں اور خود چند روز آرام سے گذاروں۔ مرتضیٰ نے ایک زنجیر عدل بھی لگائی تھی۔ ان واقعات سے اس کی خدا ترسی اور دیانت داری معلوم ہوتا ہے۔

محکمہ عدلیہ بہمنیوں کی طرح نظام شاہیوں نے بھی عدلیہ کو عاملہ سے الگ رکھا تھا۔ قاضی نہ صرف عدلیہ کے عہدہ دار تھے بلکہ بیرونی دشمنوں سے صلح کی گفت و شنید کے لئے بھی روانہ کئے جاتے تھے۔

جرائم میں سب سے بڑا جرم بغاوت سمجھا جاتا تھا اور اس کی سزا قتل تھی۔ حاجب اور کوتوال بھی مقرر تھے۔

خصوصیات (۱)۔ نظام شاہی سلطنت میں دہلی یا سلطنت بہمنی کی طرح محتسب مقرر نہ تھے بلکہ قاضی ہی محتسب کے فرایض انجام دیتے تھے۔

۲۔ دیوان مظالم قایم تھا۔

۳۔ بہمنیوں کے وکیل مطلق کا مددگار پیشوا ہوتا تھا۔ احمد نگر میں وکیل اور پیشوا کا ایک ہی عہدہ ہو گیا۔

۴۔ نظام شاہی عدلیہ ایسا منظم اور ترقی یافتہ نہ تھا جیسے بہمنی نظام میں دکھائی دیتا ہے۔

Marfat.com

(۳۱) بیجاپور کی عادل شاہی سلطنت

۱۴۸۹ء میں یوسف عادل شاہ نے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ اس کے بعد یہ مورو ثی شاہی ہوگئی۔ بانی سلطنت یوسف علی عادل شاہ اوّل بڑے عالم اور فاضل تھے اور علی عادل کے زمانے میں علماء اکثر مباحثہ و مذاکرہ میں مصروف رہتے تھے۔ فقہ اور حدیث کا اہل بیجاپور میں عام چرچا تھا۔ عادل شاہی سلاطین امامیہ مذہب کے پیرو تھے اور اپنے کو شاہ ایران سے منسلک سمجھتے تھے

عام نظم و نسق | اگرچہ عادل شاہیوں نے بہمنی نظم و نسق کی پوری نقل کی تھی تاہم ان کے بعض دلچسپ خد و خال بھی غور طلب ہیں۔

صبح سے شام تک بادشاہ کا پورا وقت ایک وقتنامہ کے مطابق صرف ہوتا تھا۔ صبح کو عالموں اور فاضلوں کی مجلس گرم رہتی لیکن اسی کے دوران بادشاہ مملکت کی خبریں بھی سنتا تھا جو جاسوسوں کے ذریعہ وصول ہوتی تھیں۔ خبروں سے واقف ہونے کے بعد "دربار" میں اجلاس کرتا تھا۔ اور دربار بہمنیوں کی طرح ظہر کی نماز تک تین گھنٹے جاری رہتا تھا۔ سوائے جمعہ کے ہر روز دربار ہوتا تھا۔ دربار میں ہر فرد مملکت کو حاضر ہونے اور اپنا استغاثہ یا عرضداشت پیش کرنے کی اجازت تھی۔ مملکت کے اہم مسائل پر بحث کے لئے خاص مشیروں کی علیحدہ مجلس ہوتی تھی۔ دربار برخواست ہونے کے بعد دو گھنٹے تک بادشاہ آرام کرتا اور اس کے بعد وزراء کے ساتھ مملکت کے مختلف مسائل پر گفتگو اور بحث کرتا تھا۔ اس طرح صبح نو بجے سے شام تک یہ مقررہ وقت نامہ تھا جس کی عادل شاہ پابندی کرتا تھا۔

بہمنیوں کی طرح عادل شاہی نظام حکومت میں "بادشاہ سب کا پیٹ" کا تصور پایا جاتا ہے۔ امور مملکت میں بادشاہ وزراء کا مشورہ حاصل کرتا تھا۔ سچ پوچھو تو تمام اہم مسائل میں وزراء کے علاوہ امراء، علماء اور فضلاء سے بھی مشورہ کیا جاتا تھا۔ بعض مرتبہ سپاہ سے بھی مشورہ کیا گیا ہے

مرکزی حکومت میں سلطان کے بعد سب سے بڑا عہدہ دار وزیر اعظم یا وکیل السلطنت تھا، جو سلطان کا نائب سمجھا جاتا تھا۔ مالیہ کا وزیر امیر جملہ تھا، جس کی مدد کے لئے ایک اور عہدہ دار مستوفی ملک بھی مامور ہوتا تھا۔

عادل شاہی سلاطین اپنے وکیل اور دوسرے وزراء کے ساتھ تعاون کرتے تھے اور وزراء کی خوشنودی پیش نظر رکھتے تھے۔ چنانچہ اسد خاں لاری اور بادشاہ کا تعاون تاریخ کا زرین ورق ہے۔ دونوں اس طرح مملکت کے کام انجام دیتے تھے کہ گویا خاندان کے دو رکن اپنے

Marfat.com

گھر کو سنبھال رہے ہیں۔ اسی طرح جب افضل خان کو سلطان نے ہندو امرا کی سرکوبی کے لئے مقرر کیا تو افضل خاں نے درخواست کی کہ" دست مبارک خود بر سرمن تہند مرا دریں کار تقویت دیگر حاصل می شود"۔ اس پر سلطان نے اس کو سینے سے لگایا اور بوسہ دیا۔ اس طرح عہدہ دار پورے خلوص دل کے ساتھ اپنے فرایض انجام دیتے تھے۔

صوبائی نظم ونسق بھی مرکزی حکومت کی طرح بہمنی انداز میں مرتب تھا۔ دیوانی علاقہ کے علاوہ بیجاپور میں جاگیریں بھی تھیں اور باجگزار علاقے بھی تھے۔ ان علاقوں کے اندرونی انتظام میں مرکزی حکومت زیادہ دخل تو نہ دیتی تھی البتہ ان کا عدالتی نظم ونسق مرکز کے ہاتھ میں تھا۔ چنانچہ خود سلطان قاضی کا تقرر کرتا تھا اور بعض وقت خود جاگیر دار کو قضاء کا کام تفویض کر دیا جاتا تھا۔

عادل شاہی نظم ونسق کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ ہندوؤں کو حکومت میں کافی جگہ دی گئی تھی اور قلعوں کی فوجیں زیادہ تر مرہٹوں پر مشتمل تھیں۔ ان کو جاگیریں بھی دی گئیں۔ اور خود بیجاپور کی شاہی فوج میں بہت سے ہندو نوکر تھے۔

عدل اور شرع اسلام | دوسرے اسلامی حکمرانوں کی طرح عادل شاہی سلاطین بھی عدل و انصاف کو بادشاہ کا اولین فرض سمجھتے تھے۔ خود سلاطین عدالتی فرائض انجام دیتے تھے۔ یا اس کے لئے اپنا نائب مقرر کر دیتے تھے۔ قاضیوں اور مفتیوں کو سخت تاکید تھی کہ وہ شرع کے مطابق فیصلے کریں۔ بیجاپور کے مورخ بانیِ سلطنت یوسف عادل شاہ اور پھر اس کے بعد اسماعیل عادل شاہ، علی عادل شاہ اوّل، ابراہیم ثانی، محمد عادل شاہ اور علی عادل شاہ ثانی کے مداح ہیں اور ان کے عدل و انصاف کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ اسماعیل کے عفو و کرم کا یہ حال تھا کہ وہ سیاسی ملزموں کو بھی معاف کر دیتا تھا۔ علی عادل اپنے ملازموں سے کہتا تھا کہ تم جب کبھی مجھ میں قابل اعتراض چیز دیکھ پاؤ ٹوک دیا کرو۔ یہ کبھی کبھی اپنے ملازمین کے دسترخوان پر بھی بیٹھ جاتا تھا۔ علی عادل کی نیک اور سادا طبیعت کا یہ رنگ تھا کہ اس نے حکم دے رکھا تھا۔ اس کے مطبخ کے لئے عوام کی طرح بازار سے گوشت خریدا جائے اور مٹی کے برتن استعمال کئے جائیں۔ بیجاپور کا یہ شاہی خاندان صرف نام کا "عادل" نہیں تھا بلکہ واقعی عدل پروری اور دادگستری کے اوصاف سے سخت متصف تھا۔

گو بانیِ سلطنت نے شیعہ مذہب کو سرکاری مذہب قرار دیا تھا لیکن ساتھ ہی یہ اعلان بھی ہوا کہ ہر شخص اپنے اپنے مذہب پر کاربند رہ سکتا ہے۔ اس کے بعض جانشین حنفی مذہب کے

Marfat.com

اور بعض شیعہ مذہب کے پیرو ہوئے ہیں۔ لیکن اس تبدیل مذاہب کا عدل گستری پر کوئی اثر نہیں پڑا۔

(۲۲) محکمہ عدلیہ

بیجاپور کا نظم و نسق بہمنیوں کا خوشہ چین ہے۔ عادل شاہی انتظام عدالت شرع شریف پر مبنی تھا۔ سلاطین عدلیہ کے عہدہ داروں کو شرع کے مطابق فیصلہ کرنے کی سخت تاکید کرتے تھے۔

مرکز کی عدالتیں | بادشاہ سب سے اعلیٰ حاکم عدالت تھا اور اس کو مرافعوں کی سماعت کا آخری اختیار حاصل تھا۔ شاہی محلات میں عدالت محل کے نام سے ایک بلند محل بنایا گیا تھا اور ایک عدالت اندرون قلعہ بھی قائم تھی۔ بعد میں سلطان محمد نے قلعہ کے باہر ایک دادمحل بنادیا اور اس میں عدالت قائم کردی۔ جاسوس سلطان کو مملکت کی دیگر خبروں کے علاوہ عدلیہ کے کاموں سے بھی باخبر رکھتے تھے۔ سلاطین عدالتی فرائض کی انجام دہی کے وقت عالموں اور فاضلوں سے مشورہ کیا کرتے تھے۔

پایۂ تخت کے عہدہ داران عدلیہ میں صدرؔ قاضی القضاۃ "قاضی، مفتی، محتسب اور حاجب وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ بیجاپور کا محکمہ عدلیہ بہمنی عدلیہ کا چربہ معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے ان کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں۔ صرف مقامی خصوصیات کا ذکر کافی ہوگا۔

تاریخ میں بعض مشہور علماء اور صدر جہاں کا تذکرہ موجود ہے۔ یوسف اور اسماعیل دونوں کے عہد میں مولانا سید احمد ہروی مسند صدارت پر فائز تھے۔ جن کے علم و فضل کی فرشتہ نے بڑی ستائش کی ہے۔ علی عادل اول کے عہد میں مولانا میر شمس الدین محمد اصفہانی جیسی بلند پایہ شخصیت صدر جہاں کے عہدے پر فائز تھی۔ محمد عادل شاہ کے عہد میں قاضی القضاۃ قاضی شریف سید سیف اللہ تھے۔

علی عادل شاہ ثانی کے عہد میں قاضی نور اللہ بہت مشہور قاضی گزرے ہیں۔ ابراہیم زبیری، عبدالجلیل، عبداللہ، عزیز الدین، عبدالنبی، غلام حسین وغیرہ بہت نمایاں شخصیتیں تھیں۔ ان میں سے بعض اپنے عدالتی فرائض اس دیانت داری سے انجام دیتے تھے کہ خلفاء راشدین کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ مثال کے طور پر قاضی ابراہیم زبیری سے ان کی بیوی نے کسی بڑھیا کی سفارش کی تو انہوں نے اسی روز عہدۂ قضا سے استعفاء دے دیا اور کہا کہ شاید اب مجھ سے انصاف نہ ہوسکے گا۔

صوبائی انتظام | صوبوں، سرکار، پرگنوں وغیرہ میں سلطان کی طرف سے قاضی قاضی مقرر ہوتے تھے۔ نیز جاگیروں میں بھی سلطان ہی قاضی کا تقرر کرتا تھا۔ صوبائی قاضیوں کو عدلیہ کے کام

Marfat.com

کے علاوہ اوقاف اور امور مذہبی کے فرایض بھی انجام دینے پڑتے تھے۔ عامل سرکار کا سب سے بڑا عہدہ دار تھا اور یہ عاملانہ فرایض کے علاوہ "سرکار" کے قیام امن کا بھی ذمہ دار تھا اور دیوانی مقدموں کی بھی سماعت کرتا تھا۔ ہر سرکار اور پرگنے میں کوتوال بھی مقرر تھے۔

پرگنے کے قاضی کی تنخواہ مقرر تھی۔ بعض کو زمینیں بھی دی گئی تھیں اور ان کے لئے انعامات بھی مقرر تھے۔ عادل شاہیوں نے صوبجاتی نظم و نسق پر خاص توجہ کی تھی۔ وہ مملکت کے گوشہ گوشہ میں قیام امن اور اسلامی احکام کے نفاذ کی کوشش کرتے تھے۔ دیہات اور موضعوں کے انتظام پر بھی ان کی خاص توجہ تھی جہاں کہ دیہی پنچایتوں سے کام لیا گیا تھا۔ پنچایت کے فیصلوں کا مرافعہ مقامی عہدہ دار کے پاس اور آخری مرافعہ سلطان کے پاس ہوتا تھا۔

دستور حکومت | زبیری نے عادل شاہی دستور العمل اور قواعد و ضوابط کا ایک مختصر مگر دلچسپ خاکہ پیش کیا ہے۔ اس کے حسب ذیل اقتباسات قابل غور ہیں:-

محض سنی سنائی باتوں پر بلا ثبوت مواخذہ نہیں ہونا چاہیئے۔ ثبوت مل جائے تو ضرور سزا دینی چاہیئے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔ فریقین مقدمہ کی پوری تحقیقات ضروری ہے اور جو اس میں جھوٹا ہو اس کو سزا دینی چاہیئے تاکہ جھوٹے مقدموں کا سدباب ہو جائے۔ صحیح انصاف رسانی اور مظلوموں کی دادرسی ہونی چاہیئے۔ اور رعایا کے ساتھ بہترین سلوک ہونا چاہیئے۔ احکام شرعیہ کے مطابق عمل ہونا چاہیئے۔ رشوت ستانی کی روک تھام کی جائے۔ دیانت داروں کی قدر کی جائے۔ مال غنیمت اور زکوٰۃ اور خمس وغیرہ سب جامع مسجد اور آثار محل میں جمع رہیں اور حسب احکام شرع ان کے صرف کا انتظام کیا جائے اور یہ انتظام ایک کمیٹی کے سپرد ہوگا۔ دارالضرب میں جو طلائی اور نقرئی سکے ڈھلتے ہیں، ان میں کھوٹ ملانے کو بڑا جرم سمجھا جائے۔ عوام کو منہیات اور منکرات سے باز رکھا جائے اور سنت رسول کی تلقین کی جائے۔ چوری کی سزا حسب شرع شریف دی جائے۔ ایک فرد مملکت کو دوسرے پر ظلم کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔

سزائیں | بغاوت کی سب سے زیادہ سنگین جرم سمجھا جاتا تھا۔ اور اس کی سزا بھی کافی سخت دی جاتی تھی۔ جو امراء اور عہدہ دار بغاوت کرتے، ان کو منصب سے معزول کر کے قید کر دیا جاتا تھا۔ عین الملک کو بغاوت کے الزام میں قتل کیا گیا۔ جو زمیندار بغاوت کرتے، ان کی زمین چھین لی جاتی تھی۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی نے اپنے بھائی اسماعیل کو بغاوت کی سزا میں ملک سے باہر کر دیا تھا۔ چوری، حرام خوری یا افعال شنیعہ کے ارتکاب پر شرع کے موافق سزا دی جاتی تھی۔

Marfat.com

سلطان محمدؒ عادل شاہ کے عہد کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔ ایک روز ایک مہاجن چند ساتھیوں کے ہمراہ دروازہ اللہ پور سے شہر کے باہر گیا۔ دروازہ کے باہر مہتر نائیکاں بیٹھا ہوا تھا۔ مہاجن نے اسے سلام کیا تو مہتر نائیکاں نے اس کے جواب میں بڑی بے اعتنائی کی اور بیٹھ کر ہی سلام کا جواب دیا۔ اس پر مہاجن کو برا معلوم ہوا اور اس نے اس میں بڑی بے عزتی سمجھی۔ وہ اپنے ساتھیوں سمیت شہر کے باہر ہی ٹھہر گیا۔ سلطان کو خبر ملی تو نائکوں کے سردار کو معزول کر دیا اور اپنے مصاحبوں کو باہر بھیجا کہ اپنی آزردہ خاطر رعایا کو منا کر لے آئیں۔ لیکن مہاجن نے جواب دیا کہ یہاں سلطان کی رعایا کی بے عزتی ہوتی ہے۔ ہم آزاد پیشہ تاجر ہیں۔ اس بے عزتی کو برداشت نہیں کر سکتے اور ہم جس دروازے سے بے آبرو ہو کر باہر نکلے ہیں، اب اسی دروازے سے نہیں جائیں گے۔ اس پر سلطان نے حکم دیا کہ فصیل توڑ کر راتوں رات ان کے لئے ایک نیا دروازہ بنا دیا جائے۔ اس کے بعد یہ لوگ اس نئے دروازے سے اپنی عزت کی ضمانت حاصل کر کے شہر میں داخل ہو گئے۔

(۲۳) عادل شاہی نظام عدل گستری کی خصوصیات:۔

۱۔ بیجاپور میں صدر جہاں اور قاضی القضاۃ کے جداگانہ عہدہ دار تھے۔ بعض مرتبہ دونوں عہدوں پر ایک ہی شخص مامور ہوتا تھا۔ گویا اس طرح یہاں بہمنیوں کی بجائے سلطنت دہلی کی پیروی کی گئی تھی۔

۲۔ یہاں وقت واحد میں بعض دفعہ دو صدر بھی کارگزار تھے۔

۳۔ سلطنت دہلی یا بہمنیوں کی نسبت بیجاپور میں صوبائی انتظام اور خاص طور پر دیہی نظم و نسق پر زیادہ توجہ کی جاتی تھی۔

۴۔ ذی اثر اشخاص پر عدلیہ کو زیادہ قابو نہ تھا۔

۵۔ رعایا کی انفرادی آزادی کا خاص خیال رکھا جاتا تھا اور کوئی عہدہ دار کسی فرد مملکت کی کسی طرح بے عزتی نہیں کر سکتا تھا۔

۶۔ جاسوسی کا ایک منظم محکمہ قائم تھا۔

۷۔ حاجبوں سے زیادہ تر سفارتی کام لیا گیا۔

(۲۴) گولکنڈے کی قطب شاہی سلطنت

اس کی معاشرت و سیاست نیز اس کا نظام حکومت سب بہمنیوں کا ورثہ تھا۔ گو قطب شاہی

Marfat.com

حکومت ایک موروثی شاہی تھی تاہم نااہل یا غیر موزوں بادشاہ کی تخت نشینی پر اہل ملک ناراضگی کا اظہار کرتے تھے اور بعض دفعہ امرا اور علمائے نے موزوں شخص کو تخت پر بٹھانے کی کوشش کی۔

گولکنڈے کی تاسیس ۱۵۱۸ء میں ہوئی تھی اور قطب شاہی سلاطین نے بیجاپور کی طرح ایران کی سلطنت سے رشتہ جوڑا۔ مملکت کا مذہب شیعہ تھا۔ بعد میں مغل شہنشاہت کی سیادت چلی اور ۱۶۸۷ء میں گولکنڈے کا خاتمہ ہوگیا۔

عام نظم و نسق | نظم و نسق کی تمام تر تنظیم ابراہیم قطب شاہ کے عہد میں ہوئی تھی۔ عاملہ کا اعلیٰ ترین عہدہ دار تو خود سلطان تھا۔ لیکن حکومت کے عاملانہ فرایض مختلف وزراء میں منقسم تھے۔ بعض وزراء تو ویسے ہی تھے جیسے بہمنیوں کے عہد میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً وزیر اعظم کو وکیل مطلق یا پیشوا کہتے تھے جو بادشاہ کا نائب تھا۔ بادشاہ اپنے وزراء سے مشورہ کرتے اور اس پر عمل کرتے۔ خاص معاملات میں علماء سے بھی مشورہ کیا جاتا تھا۔ دوسرا بڑا عہدہ میر جملہ کا تھا۔ بعض شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ میر جملہ عدالتی فرایض بھی انجام دیتا تھا۔ عدلیہ کے عہدہ دار قاضی اور مفتی تھے۔ ایک منظم جاسوسی کا محکمہ بھی تھا۔ جب کبھی کسی عہدہ دار سے غلطی اور بداخلاقی سرزد ہوتی تو اس کو سزا دی جاتی تھی۔

مقامی حکومتوں کا وہی ڈھانچہ تھا، جو مرکزی حکومت میں ہوتا تھا۔ سلطنت مختلف صوبوں پر منقسم تھی جن کو بہمنی تقلید میں طرف کہتے تھے۔ آخری زمانے میں سلطنت کے چھ صوبے ہو گئے تھے اور ان پر صوبہ دار مقرر تھے۔ جو طرف دار کہلاتے تھے۔ قاضی اور پنڈت مامور ہوتے تھے۔ جو عدل گستری کرتے تھے۔ صوبے کئی سرکاروں میں منقسم تھے۔ اور سرکار میں کئی سمت یا پرگنے ہوتے تھے۔ ہر سمت میں کئی محال یا موضع تھے۔ ان چھوٹی اکائیوں کا بھی وہی نظم و نسق تھا جو صوبوں کا تھا۔ سب عہدہ داروں کی تنخواہیں خزانہ شاہی سے ادا ہوتی تھیں۔

عدل اور شرع اسلام | سلاطین خود عدالتی فرائض انجام دیتے تھے اور عدلیہ کے فرایض کے لئے کئی عہدہ دار مقرر تھے۔

ابراہیم قطب شاہ معمولی جرائم پر سخت سزائیں دیتا تھا۔ اس کے بعد سلطان محمد قلی اور سلطان محمد قطب شاہ بڑے انصاف پسند بادشاہ گزرے ہیں۔ سلطان عبداللہ کے عدل و انصاف کی بیرونی سیاحوں نے بھی تعریف لکھی ہے۔ سلطان محمد قلی بہت نرم دل تھا اور اس نے اپنی تمام عمر میں کسی کو قتل نہیں کیا۔ اجناس کا محصول جو پچھلے زمانے میں لیا جاتا تھا، اس نے معاف کر دیا۔ محمد قلی نے بہمنیوں کی زنجیر عدل کی بجائے ایک دادمحل بنایا تھا ——— جو دادخواہوں کے

Marfat.com

لئے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ اگر کوئی شخص قتل کا مرتکب ہوتا تو قاتل کو دار القضاۃ کے حوالہ کیا جاتا تھا تاکہ حسب شرع عمل کیا جائے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قطب شاہی سلاطین اور عہدہ دار فصل خصومات میں فقہ امامیہ پر عمل کرتے تھے۔ شرعی حد کی سزا بھی دیتے تھے۔

عدلیہ | قطب شاہیوں کی ایسی عادلانہ شان نہیں تھی جو بہمنی سلاطین کو حاصل تھی۔ تاریخی واقعات سے یہ بات ظاہر نہیں ہوتی کہ سلاطین اپنے کو اسلامی قانون کا پابند سمجھتے یا قاضی کے فیصلوں کا احترام کرتے تھے۔ البتہ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ان سلاطین نے عدل و انصاف میں بذات خود دلچسپی لی اور خود بطور حاکم عدالت انصاف رسانی کرتے تھے۔ پیشوا اور میر جملہ بھی عدلیہ کے فرائض انجام دیتے تھے۔

صدر جہاں کا عہدہ بھی تھا اور محمد قطب شاہ کے عہد میں قاضی القضاۃ کا عہدہ بھی نظر آتا ہے۔ اس دور میں بعض قاضی ایسے بھی ہوئے ہیں، جن کی بہت شہرت تھی۔ لیکن ان کے فرائض یا طریقہ کار سے متعلق تاریخیں خاموش ہیں۔ البتہ یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ ان قاضیوں سے عدلیہ کے علاوہ دوسرے اہم کام بھی لئے گئے یعنی بطور حاجب دوسری سلطنتوں کو پیغام پہنچاتے تھے اور کبھی فوج کی رہنمائی بھی کرتے تھے۔

ہندوؤں کے فصل خصومات کے لئے پنڈت مقرر تھے

سزائیں | بغاوت سب سے بڑا جرم سمجھا جاتا تھا اور موت یا جلا وطنی کی سزا دی جاتی تھی چوری اور قزاقی کی بڑی سخت سزا تھی۔ ابراہیم قطب شاہ نے چوروں اور ڈاکوؤں کو کوڑے لگوائے اور پیر کے ناخن اکھاڑ دیئے

عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں ایک امیر نے کسی صراف کو محل میں بند کر کے اس سے زبردستی پانچ ہزار روپیہ وصول کر لئے۔ بادشاہ نے اس کو سزا دی اور رقم واپس کرا دی۔ ایک عہدہ دار ایلچی بیگ نے تاجروں سے قرض لیا تھا۔ اور ادا نہیں کر رہا تھا۔ تاجروں نے بادشاہ کے پاس شکایت کی تو عبداللہ نے تیس یا چالیس ہزار ہون اس کی آمدنی سے ادا کر دیئے اور سابقی رقم شاہی خزانے سے دلوا دی۔

عام رواج یہ تھا کہ ملزم کو قید میں نہیں رکھا جاتا تھا۔ بلکہ فوراً حاکم مجاز کے پاس پیش کر دیا جاتا تھا اور وہ شہادت سننے کے بعد سزا یا تا یا بری کر دیا جاتا۔

Marfat.com

(۲۵) قطب شاہی نظام عدل گستری کی خصوصیات :-

۱۔ قطب شاہیوں نے تنگ نائے کے ماحول میں اپنی سلطنت کو ایک آندھیرا راجدھانی کی شکل دے رکھی تھی اور قانون مملکت میں رسم و رواج بھی داخل ہو گئے تھے۔

۲۔ ہندوؤں کو عام نظم و نسق کے علاوہ عدل گستری میں بھی دخیل کیا گیا تھا۔ ہندوستان کی اسلامی حکومتوں میں بھی جو ابتدائی زمانے میں قائم ہوئی تھیں ہندوؤں کا تعاون حاصل کیا گیا۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ تعاون بڑھتا گیا اور مختلف سلطنتوں میں ہندو دخیل ہو گئے۔ بالآخر قطب شاہی سلطنت میں ہندوؤں کو سب سے زیادہ سرپرستی حاصل ہو گئی۔ حتیٰ کہ ہندو دزیر اسلامی حد کی سزا بھی دینے لگے۔

۳۔ جاسوسی کا ایک منظم محکمہ بنایا گیا۔

۴۔ انگلستان کے قانون احضار ملزم (ہیبیس کارپس) کے اصول کی طرح گولکنڈے میں یہ رواج تھا کہ ملزموں کو قید میں نہیں رکھا جاتا تھا۔ بلکہ گرفتاری کے فوراً بعد حاکم مجاز کے سامنے پیش کر دیا جاتا تھا۔

۵۔ گو حد کی سزائیں نافذ تھیں۔ لیکن اسلامی تعزیری سزاؤں میں کافی تبدیلی کی گئی۔ اور بعض حدیں بھی کی گئیں۔

۶۔ مظلوموں کے لئے ایک پناہ گاہ یعنی "امان محل" بنایا گیا تھا۔

گزشتہ مباحث سے حسب ذیل اصول یا سبق ملتے ہیں :-

(۱) گو اسلامی مملکت میں ایک عالمگیر تصور موجود ہے اور یہ اسلامی اخوت کا دوسرا نام ہے۔ لیکن وسطی دور کے آخری حصے میں چھوٹی چھوٹی جغرافی وحدتیں عملاً ایک مسلمہ امر بن گئیں۔ دور حاضر میں جب ایک جغرافی وحدت کو قومی مملکت تصور کیا جاتا ہے تو کسی عالمگیر اسلامی مملکت یا خلافت کا تصور باقی نہیں رہتا۔ البتہ یہ امر ممکن ہے کہ دنیا کی ساری اسلامی مملکتیں کسی نہ کسی انداز میں ایک مرکز پر جمع ہو جائیں۔ مثال کے طور پر UNO یا تنظیم اقوام متحدہ کی طرح ایک جداگانہ تنظیم بنائی جا سکتی ہے جس میں اجتماعیت ہو اور جو اولین اسلامی مملکت کی عکاسی کرے۔ حالیہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قابل عمل ہے۔ ابھی حال میں R.C.D کے نام سے پاکستان، ایران اور ترکی نے جو تنظیم بنائی ہے، اس میں اس تصور کی جھلک پائی جاتی ہے۔ اس کے دائرے کو وسعت دی جائے اور ساری اسلامی مملکتیں اپنی مشترک

Marfat.com

تنظیم بنالیں تو بڑی حد تک اس مقصد کی تکمیل ہو سکتی ہے

(۲) "حلف الفضول" ایک کارآمد ادارہ تھا۔ دورِ حاضر کی اسلامی مملکتوں میں عدل گستری کی تنظیم موجود ہے۔ اس کے باوجود حلف الفضول جیسی رضا کار جماعت کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اسلامی مملکتیں اپنے تمام شہر و قصبات میں اس قسم کی جماعتوں کو فروغ دیں اور ان کو سرکاری حمایت بھی حاصل ہو تو افراد مملکت کے حقوق کی حفاظت میں ایک بہتر باب کا اضافہ ہو سکتا ہے۔

(۳) انصاف کے معاملہ میں بڑے اور چھوٹے سب مساوی ہیں۔ یہ اصول ہمیشہ برقرار رہا کہ صدر مملکت پر عدالت میں مقدمہ دائر ہو سکتا ہے اور وہ خود کسی پر مقدمہ چلا سکتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں صدر مملکت قانون ملک کے تابع رہا۔

(۴) جو قانونی اصول ہم کو ملتے ہیں، ان کے پیش نظر نافذ الوقت قوانین میں کافی تبدیلی کی گنجائش ہے۔ خاص طور پر قانون شہادت، تعزیرات اور دیوانی و فوجداری کارروائیوں میں ضابطہ کے تعلق سے قوانین نافذہ میں اسلامی روح پھونکنے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے ساری اسلامی مملکتیں بالکم از کم ان کی اکثریت اشتراک عمل سے کام کرے تو بہتر نتائج کی توقع ہے۔

(۵) ابتدائی زمانہ اسلام میں یہ اصول پیش نظر تھا کہ انصاف کے معاملہ میں معاوضہ نہیں لینا چاہئے یعنی عدل گستری مفت ہونی چاہیئے۔ کوئی رسوم عدالت نہیں لئے جاتے تھے اور ہر فریادی بلا روک ٹوک عدالت آ سکتا تھا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ زمانہ حال کی مملکتیں بعض افادی مدات میں زر کثیر خرچ کرتی ہیں۔ اور اپنے بجٹ میں اس کی گنجائش رکھتی ہیں۔ مثال کے طور پر مفت تعلیم یا افراد مملکت کی دیگر بنیادی ضرورتوں جیسے مفت طبی امداد وغیرہ پر خاطر خواہ توجہ کی جاتی ہے۔ لیکن کسی فرد مملکت کی حق تلفی ہو یا ظلم و ستم، تو حکومت خاموش ہو جاتی ہے۔ داد رسی کے لئے خود مظلوم کو اپنی جیب سے خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ انصاف رسانی لازمۂ تہذیب اور فریضہ انسانی ہے اور داد رسی فرد مملکت کا ایک بنیادی حق ہے۔ اس لئے مظلوم سے انصاف رسانی کے لئے معاوضہ لینا نہ صرف سماج دشمنی ہے بلکہ اسلامی اصول کے منافی ہے۔

جب زمانہ حال کی مملکتیں دوسرے شعبہ ہائے حیات میں افراد مملکت کی فلاح و بہبود کی خاطر زر کثیر خرچ کر سکتی ہیں۔ تو اپنے بجٹ میں مفت عدل گستری کی بھی گنجائش رکھ سکتی ہیں۔

Marfat.com

(۶) اسلام نے عدلیہ کو عاملہ سے آزاد رکھا تھا۔ زمانہ حال کی اسلامی مملکتوں کے سامنے یہ ایک بہت اچھی مثال ہے۔ اس کی پوری طرح پابندی ہو سکتی ہے۔

(۷) خلافت راشدہ میں صوبوں اور ضلعوں کے حکام عموماً مقامی باشندوں کے انتخاب پر مقرر ہوتے تھے۔ نیز کسی حاکم سے مقامی آبادی ناراض ہوتی تو اس کو معزول کر دیا جاتا تھا ہندوستان کے مسلمان سلاطین نے بھی اہل ملک کی خوشنودی کو اس معاملے میں پیش نظر رکھا۔

(۸) عہدہ داروں کے تقرر کے وقت ان کے مال و اسباب کی تفصیلی فہرست تیار کی جاتی تھی۔ اگر عہدہ دار اپنے دائرہ اختیار سے تجاوز کرتا یا اس کے مال و اسباب میں معتدبہ اضافہ ہو جاتا تو اس سے مواخذہ کیا جاتا تھا۔

(۹) صدر مملکت اعلیٰ حکام کے خلاف افراد مملکت کی شکایات خود سنتا تھا۔ اور دادرسی کرتا تھا۔ نیز مظلوموں کی بھی براہ راست رسائی صدر مملکت تک ہو سکتی تھی۔

(۱۰) رشوت یا ناجائز وسائل آمدنی سے روکنے کے لئے جو تدبیریں اختیار کی گئیں، ان میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ قاضیوں کو کافی بڑی تنخواہیں دی گئیں۔ اس عہدے پر دولت مند اور معزز اشخاص کا تقرر کیا گیا۔ قاضی کو تجارتی کاروبار کی ممانعت کی گئی۔ خود صدر مملکت فریق مقدمہ کی حیثیت میں حاضر عدالت ہوتا تھا تاکہ عدالت کی کارکردگی دیکھی جائے۔ عہدہ داروں کی لغزش پر سخت داروگیر ہوتی تھی۔

(۱۱) مرافعہ کے وقت ضرورت محسوس کی جاتی تو از سر نو تحقیقات ہوتی تھی۔

(۱۲) عدالتی عہدہ داروں پر بڑی بھاری ذمہ داری عاید تھی۔ قاضیوں کو خلاف شرع فیصلہ کرنے پر سلطنت دہلی کے دور میں موت کی بھی سزا دی گئی۔ نااہل قاضیوں کو علیحدہ کیا گیا۔

عدالتی عہدوں کی اس اہمیت کے پیش نظر یہ امر مناسب ہوگا کہ جو نئے عہدہ دار عدلیہ کے لئے نامزد ہوں، ان کی خاص تربیت کی جائے۔ مثال کے طور پر پاکستان میں سی۔ ایس۔ پی اکادیمی عاملہ یا انتظامیہ کے آئندہ عہدہ داروں کی خاص تربیت کرتی ہے۔ اسی اکادیمی یا اس کے مماثل کسی ادارے کے توسط سے عدلیہ کے تمام آئندہ عہدہ داروں کی اس طرح تربیت کی جائے کہ وہ نہ صرف اسلامی اصول قانون اور اصول اجتہاد سے واقفیت حاصل کریں بلکہ اسلامی نظام عدل گستری اور مسلمان حکمرانوں کے سابقہ تجربوں سے بھی واقف ہو جائیں اور اسلامی عدل کی پوری اہمیت ان کے ذہن میں سما جائے۔ اس قسم کی تربیت تمام اسلامی ملکوں میں مفید ہوگی۔

Marfat.com

(۱۳) دیوان قضاء اور دیوان مظالم عدل گستری کے بڑے ادارے تھے۔ محکمہ احتساب کا بھی بڑا کام تھا۔

دور حاضر میں دیوانی اور فوجداری عدالتیں تو قایم ہیں۔ لیکن ان میں اسلامی روح پھونکنے کی ضرورت ہے۔ ساتھ ہی احتساب کے محکمہ کی بھی ضرورت ہے۔ یہ محکمہ جو ابتدائی زمانۂ اسلام سے چلا آتا ہے، نہ صرف سلاطین دہلی کے دور میں کارگزار رہا بلکہ بہمنی عادل شاہی اور نظام شاہی سلاطین کے دور میں بھی باقی رہا۔

(۱۴) حضرت عمر فاروق کے عہد میں محکمہ افتاء قایم ہوا تھا۔ اسی طرح اموی اور عباسی نیز سلاطین دہلی اور دکن کی حکومتوں میں بھی مفتی مقرر ہوتے رہے۔ موجودہ زمانے کی اسلامی مملکتیں اس ادارے سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں اور ایسے اشخاص کا تقرر کر سکتی ہیں جو نہ صرف فقہ اور شرع اسلام کے ماہر ہوں بلکہ تقابلی اصول قانون اور مملکت کے قوانین سے کما حقہ واقفیت رکھتے ہوں۔

(۱۵) قاضی اور مملکت کے دیگر عہدہ دار محض سرکاری ملازمت کی خاطر نہیں بلکہ اپنے ضمیر کو سامنے رکھ کر اور خدا سے ڈر کر نظم و نسق میں حصہ لیتے تھے۔ عادل شاہی دور میں بادشاہ اور بڑے عہدہ دار ایسی یک دلی اور یگانگت کے ساتھ کام کرتے تھے کہ گویا ایک گھر کے ارکان ہیں اور گھر کی نگہداشت کر رہے ہیں۔

(۱۶) عدالتی کارروائیوں سے واقف ہونے اور عدالتوں کو صحیح راستے پر چلانے کے لئے سلاطین عدالتوں سے باخبر رہتے تھے۔ زمانہ حال کی مملکتوں میں بھی صدر مملکت اس بارے میں اپنے پاس رپورٹیں منگوا سکتے ہیں اور کبھی کبھی لغزش پر باز پرس کر سکتے ہیں۔ اس سے عدلیہ کی کارکردگی میں اضافہ کی توقع ہو سکتی ہے۔

(۱۷) رعایا کی انفرادی آزادی کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔

(۱۸) غیر مسلموں کے دیوانی مقدمات ان کے ہم مذہب اشخاص کے ذریعہ فیصل کرائے جاتے۔ اگر زمانہ حال کی کسی اسلامی مملکت میں دیوان قضاء قسم کی عدالت پھر سے قایم کی جائے۔ اور قانون ملک میں اسلامی انداز نمایاں کیا جائے تو پھر غیر مسلموں کے دیوانی معاملات میں مذکورہ طریقہ کو نافذ کرنا پڑے گا۔

(۱۹) قانون سازی اور سزاؤں کے سلسلے میں سابقہ ادوار کے تجربوں سے آئندہ کے لئے مفید رہنمائی مل سکتی ہے۔ ان دونوں عنوانات پر ذیل میں کسی قدر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

Marfat.com

قانون اور اجتہاد

اسلامی قانون کی اولین بنیاد کتاب اللہ ہے۔ رسول اکرمؐ فیصلہ کرتے وقت کتاب اللہ اور وحی الٰہی کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ جن معاملات میں کوئی حکم نہ ملتا، آپؐ خود اجتہاد کرتے اور بعض اوقات صحابہؓ سے بھی مشورہ فرماتے تھے۔ آپؐ کی رحلت کے بعد آپؐ کے افعال اور اقوال کو قانونی حیثیت حاصل تھی۔ آپؐ نے اجتہاد کی طرف بھی دعوت دی۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبل کا واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ قرآن اور سنت میں کوئی حکم نہ ملے تو اپنی رائے اور عقل سے کام لیا جائے۔ یعنی اجتہاد کرنا ایک صالح عمل ہے۔ جب کبھی سرکار دو عالمؐ احکام بھیجتے تھے۔ ان کے ساتھ عام طور پر ان کے مصالح اور علل بھی ارشاد فرماتے تھے۔ ان سے احکام کی غرض و غایت ظاہر ہو جاتی تھی۔ مثال کے طور پر آپؐ نے فرمایا کہ بلی کا جھوٹا ناپاک نہیں ہوتا کیوں کہ یہ ان جانوروں میں ہے جو گھریلو بن چکے ہیں۔ اس طرح حکم کی علت غائی بھی معلوم ہو گئی۔ یہ انداز اجتہاد کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ رسول اکرمؐ نے صحابہؓ کو اجتہاد کی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر مجتہد نے صحیح اجتہاد کیا تو اسے دو اجر ملیں گے اور غلطی کی تو ایک اجر ملے گا۔ دوسرے الفاظ میں ہر صورت میں اجتہاد قابل تحسین ہے۔

بعض صورتوں میں جو چیز شروع میں منع تھی، وہ بعد میں جائز کر دی گئی۔ کیوں کہ حالات بدل گئے تھے۔ مثلاً آپؐ نے فرمایا "میں نے تمہیں زیارت قبور کی ممانعت کی تھی۔ لیکن اب تم زیارت قبور کر سکتے ہو"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شرع کی غرض مصلحتِ وقت پر مبنی ہے۔ حالات کے مطابق شرعی احکام خدا کی طرف سے نازل ہوئے۔ اسی طرح جب کوئی ایسا مسئلہ پیش نظر ہو جس کے بارے میں قرآن و سنت سے مدد نہ مل سکے تو حالات اور مصالح کے لحاظ سے اجتہاد کیا جا سکتا ہے۔

رسول اکرمؐ کی رحلت کے بعد عام نظم و نسق یا عدلیہ کے لئے جو قانون موجود تھا، وہ قرآن اور حدیث کا مجموعہ تھا۔ ساتھ ہی اجتہاد کے راستے بھی کھول دیئے گئے تھے کہ حالات اور مصالح کے لحاظ سے کس طرح رائے سے کام لیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ خلفائے راشدین نے اجتہاد رائے سے کام لیا۔ سب سے پہلے وہ نصِ قرآنی سے تلاش کرتے تھے، پھر اقوال و سنتِ رسولؐ دیکھتے تھے۔ کتاب و سنت میں کوئی حکم نہ ملتا تو اجتہاد رائے سے کام لیتے تھے۔

خلیفہ اوّل | خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو سب سے پہلے کتاب اللہ پر نظر دوڑاتے۔ جب کتاب اللہ میں کوئی حکم نہ ملتا تو سنت نبوی سے یا اپنی معلومات سے فیصلہ فرماتے تھے۔ جب کبھی ان کے علم میں کوئی بات نہ ہوتی تو مسلمانوں کو جمع کر کے دریافت کرتے

Marfat.com

تھے کہ رسول اللہ صلعم کا فیصلہ مسئلۂ تصفیہ طلب کے بارے میں کسی کو معلوم ہو تو بتا دیں۔ اس تمام کوشش کے بعد کوئی پکی تلی بات معلوم نہ ہوئی تو اہل الرائے کو جمع کر کے استفسار کرتے اور اکثریت کی رائے کے مطابق فیصلہ کر دیتے۔ کبھی اجتہاد رائے سے بھی کام لیتے۔ مثلاً حضرت عمرؓ کو خلیفہ نامزد کرتے وقت یہی کیا۔

خلیفہ دوم | حضرت عمرؓ بھی اپنے دوران خلافت میں اسی طریقے پر عمل پیرا رہے۔ کسی امر کا فیصلہ کرتے وقت کتاب و سنت سے واضح حکم نہ ملتا تو وہ خلیفہ اوّل کے فیصلوں کو مشعل راہ بناتے۔ جب اس سے بھی مطلب حل نہ ہوتا تو اہل الرائے کو جمع کر کے ان کی رائے پر عمل کرتے۔ اجتہاد رائے سے بھی کام لیتے تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنے انتقال کے وقت چھ آدمیوں کی ایک کمیٹی بنا دی تھی کہ ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کیا جائے۔ نیز تین طلاقوں کو کلمہ واحد کے ساتھ جائز قرار دیا۔ حالانکہ "الطلاق مرتان" کا قرآنی حکم موجود تھا اور رسول اکرمؐ اور خلیفہ اوّلؓ کے زمانے میں اور خود عہد فاروقی کے ابتدائی دور میں وقت واحد کی تین طلاقوں کو ایک طلاق تسلیم کیا جاتا رہا لیکن لوگ اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے لگے۔ اس لیے مصلحت وقت کے مدنظر حضرت عمرؓ اس اجتہاد پر مجبور ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ مجلس شوریٰ کی تنظیم، نظم و نسق کی اصلاحات، قید خانوں کا قیام، خراج کا عاید کرنا وغیرہ سب اجتہاد ہی کے نتائج تھے۔

خلیفہ سوم | حضرت عثمانؓ نے بھی اجتہاد سے کام لیا تھا۔ نماز جمعہ کے لئے اذان ثانی کا اضافہ کیا گیا اور اس میں مصلحت وقت پیش نظر تھی۔ اسلامی سلطنت میں بڑی سرعت سے توسیع ہو رہی تھی۔ حافظ قرآن مختلف شہروں میں پھیل رہے تھے اور حروف متعددہ کی قرأت سے اختلاف کا فتنہ پیدا ہو رہا تھا۔ آپ نے اپنے اجتہاد سے لوگوں کو حرف واحد کی قرأت پر مجبور کر دیا۔

خلیفہ چہارم | حضرت علیؓ نے بھی کئی اجتہاد فرمائے۔ قانون شہادت کے سلسلے میں ایک نئی اصلاح کی۔ جھوٹے گواہوں کا اظہار لیتے وقت دوسرے گواہوں کو عدالت سے ہٹا دیتے تھے۔ قانون وراثت میں حضرت علیؓ اصول عول اور رد کے بانی ہیں۔

حالات اور مصلحت | اسی طرح احکام وحدود کے اجرا اور نفاذ میں مصلحت اور لوگوں کے حالات کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔ مثلاً ایک قحط کے موقع پر چوری کی سزائے قطع ید معطل کر دی گئی۔ اسی طرح جب اسلام خوب پھیل گیا تو مؤلفۃ القلوب کا جو حصہ مال غنیمت میں ہوتا تھا، اس کو حضرت عمرؓ نے بند کر دیا۔

اموی اور عباسی دور | خلافت راشدہ کی طرح اموی دور میں بھی قاضی اجتہاد سے کام لیتے تھے اور کسی مخصوص شخص کی پیروی یا تقلید نہیں کرتے تھے۔ اس زمانے میں قاضیوں کو مکمل آزادی تھی کہ اپنی سمجھ کے مطابق جو فیصلہ چاہیں کریں۔ مثال کے طور پر توبہ بن نمر حضرمی جو ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں مصر کے قاضی تھے، اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ ان لوگوں کی جائداد کو جو بے دردی سے اپنا مال ضائع اور فضول خرچی کے ذریعہ تباہ کرتے تھے، سرکاری نگرانی میں محفوظ کر دیں۔

عباسی دور میں تہذیب و تمدن کے دائرے میں بڑی وسعت ہوئی۔ اسلام جزیرہ عرب سے نکل کر دور دراز ممالک تک پھیل گیا اور علوم شریعت کے ماہر بھی مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔ نیز مفتوحہ علاقوں میں کثرت سے لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اس طرح نئے مسائل سے سابقہ پڑنے لگا۔ علم کو روز افزوں ترقی ہوئی۔ ایرانی، رومی، مصری بڑی تعداد میں مسلمان ہو گئے اور فارسی و یونانی زبانوں کی کتابیں بھی عربی میں ترجمہ ہونے لگیں۔ اس طرح دارالسلطنت بغداد میں دیگر اقوام کے علوم بھی راہ پانے لگے۔ احکام شریعت کو باقاعدہ کتابوں کی شکل میں مدون کیا جانے لگا۔ شریعت کے قوانین اور اصول کی بنیاد پر ایسے قوانین مرتب کئے گئے جو بدلتے ہوئے حالات کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کر سکیں۔ حضرت مالک بن انسؒ نے مؤطا لکھی۔ فقہا یعنی واضعین قوانین کا طبقہ وجود میں آیا۔ ان میں سے بعض فقہاء مخصوص مکاتب فکر کے بانی ہوئے۔ ان تمام فقہا نے پوری طرح اجتہاد سے کام لیا۔

لیکن اس دور ترقی کے بعد مسلمانوں میں عام جمود پیدا ہو گیا۔ بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ:۔

"چوتھی صدی ہجری سے قبل عام مسلمان کسی خاص فقہی مذہب کے پیرو نہ تھے۔ پہلی دو صدیوں میں تو تقلید کا وجود ہی نہ تھا اور نہ کسی خاص مذہب کے اصول پر فتوی دینے کا دستور تھا۔ البتہ بعد کی دو صدیوں میں تخریج کا سلسلہ کسی حد تک شروع ہو گیا۔ لوگ فقہاء اور مجتہدین کے اصول اور فتاوی کو سامنے رکھ کر مسائل کا استنباط کرنے لگے۔ تاہم تقلید محض ابھی شروع نہیں ہوئی تھی۔ اس زمانے میں قضاء اور افتاء کی مسند پر صرف وہی شخص متمکن ہو سکتا تھا، جو مجتہد ہوتا تھا۔ اور فقیہ بھی اسی کو کہا جاتا تھا۔ جو اپنے اندر اجتہاد کی قابلیت رکھتا تھا۔ لیکن چار صدیوں کے بعد مسلمانوں میں غیر شعوری طور پر تقلید داخل ہو گئی۔ اس کے حسب ذیل وجوہ تھے۔

۱۔ فقہاء کی کثرت اور اختلافات۔ اعتراض سے بچنے کے لئے فقیہ متقدمین کا حوالہ دینے لگے۔
۲۔ عدم نگرانی کی وجہ سے اکثر قاضی حق و انصاف سے ہٹ رہے تھے۔ حکام نے ہدایت کی کہ وہ صرف ایک مذہب کی فقہ کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں۔
۳۔ علم و فن زوال پذیر تھے۔ جو علما کہلاتے تھے۔ ان کے قلوب علم و عرفان سے خالی تھے۔ اور اجتہاد اور تخریج کی صلاحیتیں مفقود ہو چکی تھیں۔ غیر مجتہد فقیہ کہلانے لگے تھے۔ جہالت توہمات اور شکوک و شبہات کی گرم بازاری تھی۔ دینی مسائل میں اختلافات مناقشات اور مناظرات کے باعث ایک بڑا فتنہ پیدا ہو چکا تھا۔ ان واقعات اور حالات نے اندھی تقلید کے لئے راہ فراہم کر دی۔ فقہا تو بہت تھے۔ لیکن ان کا کمال یہ تھا کہ متقدمین کے اقوال رٹ لیتے تھے۔ خود ان میں یہ صلاحیت نہ تھی کہ ان اقوال پر غور کرتے اور یہ دیکھتے کہ کون سا قول کتاب و سنت کے مطابق ہے اور کون سا قول ایسا ہے جو نہ صرف کتاب و سنت بلکہ عقل سلیم کے منافی ہے۔ یہی حال علم حدیث کا تھا۔ محدث وہ تھے، جن کو ہر قسم کی احادیث ازبر ہوتی تھیں۔ لیکن ان میں اتنا ملکہ نہ ہوتا کہ وہ صحیح اور ضعیف حدیث میں تمیز کر سکتے... اکثریت ایسے ہی لوگوں کی تھی۔ زمانہ گزرتا گیا تو تقلید کا دائرہ بھی وسیع ہوتا گیا۔"

بہرحال اس دور انحطاط میں اجتہاد کے راستے مسدود ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فقہ اسلامی اور مصالح عوام میں کوئی ربط نہیں رہا اور اجتہاد کا دروازہ ہی بند سمجھا جانے لگا۔ فقہ اور مصالح عوام میں بعد المشرقین پیدا ہو گیا۔

اس کے بعد جو ترک اور افغان ہندوستان آئے، وہ بھی اسی تقلید اور جمود کا شکار رہے۔ صرف اتنا فرق تھا کہ نظم و نسق کے شعبے میں انہوں نے جدید قوانین وضع کئے تھے

اور دراصل یہ شرعی قوانین کے بعض اجزا میں رد و بدل تھا اسلام کا قانون تعزیرات تو بہت متاثر ہوا اور اس زمانے سے جبکہ چار فقہی مذاہب پیدا ہوئے تھے مغلوں کے خاتمے تک قانون تعزیرات اور سزاؤں کے طریقے برابر بدلتے گئے۔ "فرامین" کی بدولت ایک قانون شاہی ترقی پا گیا۔ اس کے علاوہ ذمیوں سے متعلق نئے اصول اور قوانین وضع ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ مغل شہنشاہیت اور بہمنی سلطنت کے دور میں ہندوؤں سے جزیہ نہیں لیا گیا۔

دور جدید کی اکثر اسلامی مملکتیں اسلامی قانون کی بجائے دوسرے قوانین اختیار کرنے پر مجبور ہوئی ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو مغربی ممالک کی سیادت تھی جو اس دور انحطاط میں اسلامی

علاقوں پر مسلط تھے۔ لیکن غور سے دیکھا جائے تو اس میں خود مسلمانوں کی کوتاہی معلوم ہوتی ہے۔ اسلام نے تو اپنے احکام کے منصوبہ میں استنباط کے جامع اصول وضع کر دیئے تھے، جو مصالح انسانی کے لحاظ سے مکمل ہیں اور ان اصولوں پر عمل کیا جاتا تو دوسرے عصری قوانین کی ضرورت لاحق نہ ہوتی۔ مگر اہل علم اس طرف سے غافل ہو گئے۔ لوگ اپنی ذہانت اور قابلیت سابق ائمہ مجتہدین کے متضاد اقوال میں تطبیق اور ہم آہنگی پیدا کرنے میں صرف کرنے لگے۔ زمانے کے بدلتے ہوئے حالات، انسانی ضروریات اور مصلحت وقت کا انہوں نے کوئی خیال نہیں کیا۔ بہرحال نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر اسلامی مملکتیں اسلامی قانون کی بجائے غیر مسلم اقوام کے قوانین پر عمل کرنے لگیں۔

زمانہ حال کی بعض اسلامی مملکتوں نے اس جمود کو توڑنے کی کوشش کی ہے۔ فقہ اور مصالح عوام میں جو بُعد المشرقین پیدا ہو گیا ہے، اس کو رفع کرنے کی کوشش شروع ہو گئی ہے۔ چنانچہ مصر کی وزارت قانون نے احوال شخصیہ سے متعلق بعض احکام کو از سر نو ترتیب دیا۔ مثلاً طلاق، دعوائے نسب، نفقہ معتدہ، سن الحضانۃ، موت مفقود الخبر سے متعلق نئے احکام وضع ہوئے ہیں۔ نیز سوڈان، لبنان، شام، اردن اور عراق میں اسی قسم کی کوششیں ہوئی ہیں۔ خود پاکستان میں عائلی قوانین کا نفاذ جدید اصلاحی رجحان کا پتہ دیتا ہے۔ چونکہ یہ سارے مسائل اسلامی مملکتوں کے لئے یکساں ہیں، اس لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ سب مل کر اشتراک عمل سے اس جانب اقدام کریں۔ یہ بات اگر فوری طور پر ممکن نہ ہو تو کم از کم چند مملکتیں ہی باہم اشتراک کریں۔

امام قرافی اور علامہ ابن قیم کے حسب ذیل ارشادات سے اس مبحث پر خاطر خواہ روشنی پڑتی ہے۔

استاد علاؤ الدین نے "معین الحکام" میں امام قرافی کا یہ قول بیان کیا ہے: "احکام سیاسی میں حکام کے اختیارات کی وسعت شرع کے مخالف نہیں بلکہ قواعد کے لحاظ سے حسب ذیل وجوہ پر اس کی تائید ہوتی ہے۔

۱۔ اب فساد بڑھ گیا ہے اور عصر اول کے مقابلہ میں اس میں زیادتی ہو گئی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اختلاف حالات کے مطابق جن احکام کی تشریح کی جائے، وہ شرع کے قوانین کلیہ سے ہم آہنگ ہونے چاہئیں

۲۔ مصلحت مرسلہ سے مراد وہ مصلحت ہے، جو شارع علیہ السلام کے زمانے میں پیش نہ آئی ہو۔ اور جس کے منفی یا مثبت پہلو سے متعلق کوئی واضح حکم پہلے سے موجود نہ ہو۔

Marfat.com

ایسے موقعوں پر خود صحابہ کرام نے بھی حالات کے لحاظ سے نئے احکام وضع کئے تھے۔ مثال کے طور پر قرآن شریف مرتب ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو خلافت کے لئے نامزد کیا۔ دفاتر قایم ہوئے۔ سکہ ڈھالا گیا۔ جیل خانے تعمیر ہوئے وغیرہ یہ سب چیزیں مصلحت مطلقہ کے تحت وجود میں آئیں۔

غرض معاملات شرع میں ایسے اختلافات کثرت سے ملیں گے جو حالات کی تبدیلی کے ساتھ رونما ہوئے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ کسی زمانے میں بھی حالات کو نظر انداز نہ کیا جائے۔"

علامہ ابن قیم نے "الطرق الحکمیہ" میں ابن عقیل کے حوالے سے لکھا ہے :۔

"سیاست وہ فعل ہے جس کے ذریعہ عوام اصلاح سے قریب تر ہو جائیں اور فتنہ و فساد سے دور ہو جائیں۔ گو اس طریقہ عمل سے متعلق قرآن یا حدیث میں کوئی واضح حکم موجود نہ ہو۔ یہ کہنا غلط ہے کہ سیاست وہی ہے، جس کی وضاحت شرع میں موجود ہے۔ خود صحابہ کرامؓ نے اس کی تکذیب کر دی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اجتہاد رائے کا سلسلہ خلفاء راشدین کے عہد سے چلا آ رہا ہے۔ حضرت علیؓ کا زنادقہ کو جلانا، حضرت عثمانؓ کا غلط صحفوں کو نذر آتش کرنا، حضرت عمرؓ کا نصر بن حجاج کو جلا وطن کرنا، یہ سب اجتہاد نہیں تو اور کیا ہے ؟....

یہ ایک نازک مرحلہ ہے جہاں اقدام میں لغزش ہو سکتی ہے اور مفہوم سمجھنے میں غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے۔ ایک جماعت تفریط سے کام لے سکتی ہے اور دوسری حدود سے تجاوز کر سکتی ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ لوگوں کے حقوق پامال ہو جائیں اور اس طرز عمل سے یہ غلط نتیجہ مستنبط ہو سکتا ہے کہ شریعت مصالح امت کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ گویا اس طرح معرفت حق اور تنفیذ حدود کا جو صحیح ترین راستہ تھا وہ بند ہو جائے گا۔ اس بھنور سے لوگوں کا نکلنا ضروری ہے۔"

غرض جہاں قرآن اور سنت خاموش ہوں اور نئے حالات اور مصالح کے لئے واضح قانون نہ ملتا ہو تو وہاں اجتہاد ہی ایک آلہ کار ہے اور اسی واسطے سے قانون اسلام نے پست و کشاد کی بڑی گنجائش رکھی ہے۔ اس موقع پر یہ امر ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ جمود و تعطل کی اس بھنور سے نکلنے کے لئے انفرادی اجتہاد موجودہ حالات میں مفید نہ ہوگا۔ بلکہ اس سے شر کا دروازہ کھل جائے گا۔ اجتماعی طور پر اجتہاد کیا جائے تو یہی بہترین حل ہوگا۔ اگر مسلمان ہر زمانے میں ایسی تشریعی جماعت تشکیل دیتے جو اہل علم پر مشتمل ہوتی تو ہمیشہ ان کے لئے ضروریات زمانہ کی کفالت ہو جاتی۔ اندلس کی دولت امویہ کے دور میں قرطبہ میں ایک "مشورہ گھر" بنا تھا۔ جو بڑے بڑے علماء

پر مشتمل تھا۔ اس مجلس شوریٰ نے امام مالک کے اخذ کردہ بیشتر مسائل سے اختلاف کیا۔ تیرہویں صدی ہجری کے اواخر میں دولت عثمانیہ نے علماء اور فقہاء کی ایک جماعت قائم کی جس کا نام جمعیتہ المجلہ تھا۔ مجلتہ الاحکام العدلیہ میں جو ۱۲۹۳ھ میں ترکی حکومت کی طرف سے نافذ ہوا' اس جماعت نے امام ابوحنیفہ کی اکثر آراء سے اختلاف کیا۔ اس میں خرید و فروخت کے احکام این شہر مہ کے بیان کردہ مسائل کے مطابق ہیں۔

مختلف مذاہب فقہ کے ایسے اہل علم جو اصول قانون اور فقہ پر مہارت تامہ رکھتے ہوں' حالات حاضرہ اور لوگوں کی ضروریات سے واقف ہوں' مسائل اور بدلے ہوئے حالات سے آشنا ہوں' استنباط مسائل و احکام کے اہل ہوں' قوانین ملک اور عصری قانون سازی کے اصول اور تکنیک سے واقفیت رکھتے ہوں' ایک جماعت کی شکل میں یہ کام انجام دے سکتے ہیں۔

سزائیں

اشاعت اسلام سے قبل عربوں میں حد کی سزاؤں کا رواج تھا۔ جب اسلام کا عمل دخل شروع ہوا تو سزا کے لئے برابر حد جاری کی جاتی تھی۔ شریعت نے بعض جرائم میں حد کو انتہائی سزا کے طور پر تسلیم کر لیا ہے مگر اس کے اجرا میں سخت شرائط عاید کر دیں۔ یہ احکام کافی سخت ہیں اور اس وجہ سے بہت کم صورتوں میں اس پر عمل ہو سکتا ہے۔ صرف چند ہی مثالیں ایسی ہیں' جن میں احکام حد جاری کیے گئے۔

حد کی یہ شکلیں ہیں: موت بذریعہ رجم۔ قطع عضو یا اعضاء۔ سو یا اسّی درے لگانا۔ شریعت میں حد کے علاوہ دوسری قسم کی سزا تعزیر ہے۔ وہ جرائم جو جان' جسم انسانی' جائداد' امن و امان' اخلاق' تہذیب' مذہب وغیرہ سے متعلق ہیں ان میں تعزیر کی سزا دی جاتی ہے۔ اور یہ حاکم وقت کی صواب دید پر چھوڑ دی گئی ہے۔ اس کے لئے تنبیہہ' جرمانہ' جسمانی سزا' قید اور جلا وطنی کی سزائیں دی جاتی ہیں۔

حدود کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو حقوق اللہ کی خلاف ورزی سے اور دوسری وہ جو حقوق انسانی کی خلاف ورزی سے عمل میں آئیں۔ حقوق اللہ سے متعلق جو حدود ہیں' ان کی ایک قسم یہ ہے کہ ترک فرائض کیا جائے۔ مثلاً فرض نماز کو کوئی شخص منکر وجوب ہو کر ترک کرے۔ تارک نماز کے بارے میں علماء کہتے ہیں کہ زدوکوب کیا جائے اور زندان میں رکھا جائے۔ اکثریت کا خیال یہ ہے کہ ترک نماز سے وہ کافر اور مرتد ہو جاتا ہے۔ اگر تائب نہ ہو تو ارتداد کے جرم

Marfat.com

میں قتل کیا جائے۔ اعتراف وجوب کے ساتھ صرف کاہلی سے نماز ترک کر دے تو اس کے حکم میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا خیال یہ ہے کہ تارک نماز ہر نماز کے وقت پیٹا جائے۔ قتل نہ کیا جائے۔ امام احمدؒ اور محدثین کی ایک جماعت اس خیال کی حامی ہے کہ قتل کیا جائے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ترک نماز سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا اور مرتد بھی نہیں ہوتا اس لئے حد کی سزا میں قتل نہ کیا جائے۔

امتناع ممنوعات سے جو امور واجب ہوتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حقوق اللہ سے متعلق ہے اور دوسری حقوق العباد سے۔ اول الذکر کی مثال میں حد زنا، حد خمر، حد سرقہ، حد محاربہ ہیں اور دوسری قبیل میں حد قذف بالزنا اور قذف فی الجنایات ہیں۔ ان میں سے کسی ایک مثلاً سرقہ کی سزاؤں کو دیکھا جائے تو مختلف آراء نظر آتے ہیں۔

کسی محفوظ مال کو جس کی قیمت نصاب سے کم نہ ہو کوئی عاقل بالغ چرا لے بشرطیکہ اس کو مال میں اور اس کی حفاظت میں شبہ نہ ہو تو یہ سرقہ ہے۔ اس کا دایاں ہاتھ پہنچے پر سے قطع کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد پھر سرقہ کر بیٹھے تو بایاں پیر ٹخنے پر سے قطع کیا جائے۔ تیسری مرتبہ چوری پر اختلاف رائے ہے۔ حضرت علیؓ، امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ عضو قطع نہ کیا جائے۔ بلکہ قید میں رکھا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور امام شافعی کے خیال میں تیسری بار بایاں ہاتھ اور چوتھی مرتبہ دایاں پیر قطع کیا جائے۔ پانچویں مرتبہ چوری کرے تو تعزیر کیا جائے، قتل نہ کیا جائے۔

مقدار نصاب سے متعلق بھی اختلاف ہے۔ امام مالکؒ۔ شافعیؒ۔ احمدؒ کی رائے میں ربع دینار یا اس سے زیادہ کی مالیت ہے۔ امام ابوحنیفہؒ ایک دینار یا دس درہم کو نصاب قرار دیتے ہیں۔ ابراہیم نخعی چالیس درہم یا چار دینار کو اور ابن ابی لیلیٰ پانچ درہم کو نصاب قرار دیتے ہیں۔ امام داؤد کے خیال میں نصاب کا تعین ہی نہیں ہے۔ قلیل ہو کہ کثیر جب بھی سرقہ کی تعریف میں آجائے قطع حد کی حد جاری ہونی چاہیئے۔

مال کی نوعیت کے متعلق بھی یہی اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس مال کی چوری پر مستوجب قطع ہے، جو چور پر حرام ہو۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جس مال کی اصل مباح ہو اس میں قطع جائز نہیں مثلاً شکار، لکڑی، گھاس۔ لیکن امام شافعی کے خیال میں جب ان کا کوئی مالک ہو جائے تو قطع واجب ہے۔ اسی طرح ترطعام میں امام ابوحنیفہ قطع

Marfat.com

کو درست نہیں کہتے اور امام شافعی درست بتاتے ہیں۔ سارق مصحف یا قندیل مسجد کے چرانے پر امام ابو حنیفہ قطع کو جائز نہیں سمجھتے اور امام شافعی جائز سمجھتے ہیں۔

یہی حال حفاظت کے مسئلہ کا ہے۔ مال کا محفوظ جگہ سے چرانا ضروری ہے۔ وہ مال جو مالک کہیں گم کر دے اور وہ پھل جو کسی صحرائی درخت پر غیر محفوظ حالت میں دستیاب ہو، اس کی چوری پر قطع ید نہیں صرف تعزیر کی سزا دی جا سکتی ہے۔ اس مسئلہ میں کہ جس شخص کا مال چوری ہو جائے، اس کا مطالبہ قطع کے لئے لازمی ہے یا نہیں فقہا مختلف الرائے ہیں۔

اس اختلاف رائے سے قطع نظر یہ اصول بھی مسلمہ ہے کہ شک اور شبہ کی حالت میں حد ساقط ہو جاتی ہے۔ شبہتہ المحل اور شبہتہ الفعل کے مسائل میں فقہاء کرام کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ غالباً یہی وجوہ ہیں کہ اسلامی مملکتوں میں مرور زمانہ کے ساتھ قانون اور طریقہ تعزیر میں آئے دن تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ موجودہ زمانے میں اجرائے حد کے شرعی احکام ایک دلچسپ داستان پارینہ بن کر رہ گئے ہیں۔ بہرحال ان احکام سے یہ اصول واضح طور پر مستنبط ہوتا ہے کہ قوم کے رسم و رواج اور اعمال میں اسی حد تک دست اندازی ہونی چاہیئے جو ان کے بیجا استعمال اور دست درازیوں کے سدباب کے لئے ضروری ہو۔ جدید اصول تعزیر تدریج اور رائے عامہ کے ساتھ اختیار کرنا چاہیئے

جہاں تک ان احکام کے نفاذ کا تعلق ہے، یہ امر پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ خلفاء راشدین کے عہد میں قصاص اور حدود کے اجرا کے احکام خود خلفا اور علاقائی حکام دیتے تھے۔ قاضیوں کے سامنے اس قسم کے مقدمات پیش نہیں ہوئے تھے۔ نیز قید یا جرمانہ جیسی تمام تادیبی سزائیں بھی خلیفہ جاری کرتے یا ان کے عامل۔ قاضی صرف دیوانی مقدمات کی سماعت کرتے تھے۔ بعض مرتبہ کسی قاضی کو بھی یہ کام تفویض کیا جاتا تھا۔ مثلاً حضرت عمرؓ نے اپنے ایک قاضی ابوادریس خولانی کو مظالم کی روک تھام، مظلوموں کی دادرسی اور مجرموں کی سزا دہی کے لئے مقرر کیا تھا۔ مامون الرشید نے اپنے قاضی یحییٰ بن اکثم کو اور معتصم نے قاضی احمد بن ابوداؤد کو بھی یہ امور تفویض کئے تھے۔ امیر معاویہ نے قاضی مصر سلیم بن عتر کو توجداری مقدمات کی بھی سماعت کا اختیار دیا تھا۔

مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ سزاؤں میں بھی تخفیف ہوتی رہی۔ مثال کے طور پر خلیفہ دوم رضؓ نے بار بار شراب پینے پر حد کی بجائے قید کی سزا دی تھی۔ صرف نقب زنی کی صورت میں جب کہ چوری کا ارتکاب نہیں ہوا تھا، حضرت علیؓ نے قطع ید کی سزا نہیں دی بلکہ چند کوڑے لگوا دیئے۔ آٹھویں صدی عیسوی میں امیر معاویہ نے سزاؤں میں تخفیف کر دی یہ اس حق کا استعمال ہے جو مسلمان حکمرانوں

Marfat.com

کو حاصل ہے۔ اکثر حنفی علماء سزائے قید کو درست نہیں سمجھتے تھے چنانچہ مصر میں خلیفہ مہدی نے حنفی قاضیوں کو اسی بنا پر کہ سزائے قید نہیں دیتے تھے، خدمت سے الگ کر دیا۔ ہند و شان میں سلاطین دہلی نے تقریباً ہر قسم کے مقدمہ میں یہ حق استعمال کیا تھا۔ چنانچہ سرقہ سے لے کر قتل اور ڈکیتی وغیرہ کی سزاؤں میں بھی تخفیف کر دی۔ فیروز تغلق نے تو ایک نئے ضابطہ کی بنا ڈالی اور تعزیری سزاؤں میں جو حسب شرع مقرر تھیں، ترمیم کر دی۔ بہمنی سلاطین نے بے عزتی کے لیے موت کی بھی سزا دی۔ سب سے زیادہ سزائیں باغیوں کو دی گئیں کبھی قتل کر دیا اور کبھی جلا وطن۔ لیکن اکثر صورتوں میں معافی دی گئی۔ چوروں اور ڈاکوؤں کو قتل کیا گیا۔ جرائم کو جو سکہ گلا دیتے تھے، موت کی سزا دی گئی۔ شراب خوری پر کوڑے لگوائے اور بدکار عورتوں کو شہر بدر کیا گیا۔ عادل شاہی سلاطین سیاسی ملزموں کو بھی معاف کر دیتے تھے۔ بغاوت سنگین جرم سمجھا جاتا تھا اور بعض کو موت کی سزا دی گئی۔ بعض امراء اور عہدہ داروں کو بغاوت کے الزام میں معزول کر دیا گیا۔ جلا وطنی کی بھی سزا دی گئی۔ افراد مملکت کی بے عزتی کرنے پر عہدہ داروں کو معزول کیا گیا۔ قطب شاہی دور میں چوری اور قزاقی کی سخت سزا تھی۔ ابراہیم قطب شاہ نے چوروں اور ڈاکوؤں کے استیصال کے لئے یہ حکم دیا تھا کہ ان کو کوڑے مارے جائیں اور پھر کے ناخن جدا کئے جائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تلنگانہ جو ہندو چوروں اور قزاقوں سے بھرا ہوا تھا، پُرامن ہو گیا۔ تاہم یہ اسلامی سزا نہ تھی بلکہ ایک نئی چیز تھی۔ اس طرح تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ یا تو سزاؤں ہی تخفیف ہوتی گئی یا حالات اور ضروریات کے ساتھ ان میں تبدیلی ہو گئی

غرض حدود اور ان کے تعمیلی مسائل میں ائمہ مجتہدین مختلف الرائے ہیں۔ نیز حدود کے نفاذ کے لئے کڑی شرطیں عاید ہیں اور اس کے علاوہ مرور زمانہ کے ساتھ سزاؤں میں تبدیلی ہوتی رہی تو زمانہ حال میں جب کہ تعزیری قانون کے بارے میں اصلاحی نظریات اور متبدلہ رائیں زیر بحث آ رہی ہیں، تو علمائے عصر کے لئے غور و فکر کا یہ اچھا موضوع ہے۔ یہ سخت سزائیں، عرب کے ماحول کے لئے نافذ ہوئی تھیں۔ اب ان کا نفاذ عصر حاضر میں مشکل ہوگا۔ مثال کے طور پر تارک نماز کا قتل یا سارق کا قطع ید ایک امر محال معلوم ہوتا ہے۔ علمائے عصر اس پر غور کریں اور اتفاق رائے سے ایسا لائحہ عمل تیار کریں جو عصر حاضر کی خصوصیات کا جواب دے۔

———O———

Marfat.com

کتابیات

البلاذری — فتوح البلدان - اُردو ترجمہ ابوالخیر مودودی۔ نفیس اکیڈمی - کراچی - ۱۹۶۲ء

البخاری - ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل — کتاب الجامع الصحیح - مرتبہ ایل - کرنل - ۴ جلد - لیڈن - ۱۸۶۲ء - ۱۹۰۸ء - اردو ترجمہ شیخ غلام علی اینڈ سنز - علمی پرنٹنگ پریس لاہور - ۱۹۶۲ء -

ابن حجر عسقلانی - شہاب الدین بن علی - تہذیب التہذیب - ۹ جلد - حیدر آباد - ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۹ء - بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام مرتبہ آرائیم رضوان - قاہرہ ۱۹۵۴ء -

ابن حنبل - احمد - المسند - مرتبہ احمد محمد شاکر - ۱۵ جلد قاہرہ - ۱۹۴۹ء -

ابن حزم - ابومحمد علی — کتاب الاحکام فی اصول الاحکام ۲ جلد - قاہرہ ۱۹۲۷ء

الخضری — محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ - دو جلد - طبع چہارم مصر ۱۳۵۴ھ - محاضرات تاریخ الدولۃ العباسیہ - طبع چہارم مصر ۱۳۵۳ھ

ابن خلدون - عبدالرحمٰن - المقدمہ - مرتبہ کاترمیر - تین جلد - پیرس ۱۸۵۸ء و مطبع بہیہ مصر - انگریزی ترجمہ رونتھال - لندن ۱۹۵۸ء -

ابن خلکان - ابوالعباس شمس الدین احمد - وفیات الاعیان - مرتبہ عبدالحمید - ۶ جلد - قاہرہ ۱۹۴۸ء -

ابن سعد - محمد - کتاب الطبقات الکبیر - مرتبہ یوجین مٹوج اور ایڈورڈ سچاؤ - ۹ جلد - لیڈن - ۱۹۰۵ء - ۱۹۴۰ء

بشیر احمد۔	ایڈمنسٹریشن آف جسٹس اِن میڈیویل انڈیا۔ (انگریزی) علی گڑھ ۱۹۴۱ء۔
برنی۔ ضیاء الدین۔	تاریخ فیروز شاہی۔ کلکتہ ۱۸۶۲ء
علی بن عزیز اللہ طبا طبائی۔ برہان مآثر۔	۱۰۰۰ھ (مجلسِ مخطوطاتِ فارسیہ حیدرآباد ۱۹۳۶ء)۔
عبدالمجید صدیقی (پروفیسر)	تاریخ گولکنڈہ۔ مکتبہ ابراہیمیہ۔ حیدرآباد ۱۹۳۹ء۔
تری پتی (ڈاکٹر آر۔ پی)	سم ایسپکٹس آف مسلم ایڈمنسٹریشن (انگریزی) الہ آباد ۱۹۳۶ء
خافی (محمد ہاشم)	منتخب اللباب۔ جلد ۳۔ کلکتہ ۱۹۲۵ء
زبیری (مرزا ابراہیم)	بساطین السلاطین۔ مطبع سعیدی۔ حیدرآباد ۱۳۰۷ھ
شیرازی (رفیع الدین)	تذکرۃ الملوک۔ ۱۰۱۷ھ (مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ)
عصامی (مولانا)	فتوح السلاطین۔ ۷۵۱ھ۔ مرتبہ ڈاکٹر آغا مہدی حسین آگرہ ۱۹۳۸ء۔
فرشتہ (ملا محمد قاسم)	گلشنِ ابراہیمی (بہمنی دور جلد ۱۔ بیجاپور، احمد نگر، گولکنڈہ جلد ۲)۔ نولکشور کانپور۔ ۱۸۷۴ء۔
قریشی (ڈاکٹر اشتیاق حسین)	ایڈمنسٹریشن آف دی سلطانیت آف دہلی (انگریزی) لاہور۔ ۱۹۴۲ء۔
محمد اللہ	اَے ڈِسسرٹیشن اَون دی ایڈمنسٹریشن آف جسٹس آف مسلم لار (انگریزی) الہ آباد۔ ۱۹۲۶ء۔
ملکاپوری۔ عبدالجبار خان	محبوب التواریخ۔ حسن پریس۔ حیدرآباد دکن ۱۳۳۱ھ۔
منہاج۔ سراج	طبقات ناصری (فارسی)۔ کلکتہ ۱۸۶۴ء۔
واحد حسین۔	ایڈمنسٹریشن آف جسٹس ڈیورنگ دی مسلم رُول اِن انڈیا (انگریزی)۔ کلکتہ ۱۹۳۴ء۔
بشیر الدین احمد۔	واقعات مملکتِ بیجاپور۔ جلد ۱ و ۳۔ مطبع مفید عام آگرہ ۱۳۳۲ھ۔
حمید اللہ۔ ڈاکٹر۔	دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور۔ حیدرآباد دکن۔
	امام ابوحنیفہ کی تدوین فقہ اسلامی۔ حیدرآباد۔ ۱۹۴۲ء

اسلامی عدل گستری اپنے آغاز میں (مقالہ) مجلہ عثمانیہ حیدرآباد۔ جلد ۱۱ شمارہ ۱-۲-۸ ۱۳۴ فصلی۔

خواجہ منعم خان۔ سوانح دکن۔ مخطوطہ۔ کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد۔

تاریخ قطب شاہی مخطوطہ انڈیا آفس لندن۔

ڈوزیسوان روس۔ سر — تاریخ فخر الدین مبارک شاہ مرد ردزی۔ لندن ۱۹۳۷ء۔

زور۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری۔ سلطان محمد قطب شاہ۔ حیدرآباد ۱۹۴۰ء

زین الدین معبری۔ تحفۃ المجاہدین۔ مخطوط کتب خانہ قاضی عبداللہ مرحوم مدراس۔

سرخسی (شمس الدین م ۴۹۵ھ) المبسوط مصر ۱۳۲۱ھ - ۳۰ جلد۔

سیوطی۔ امام جلال الدین۔ تاریخ الخلفاء۔ اردو ترجمہ محمد خلیل الرحمان۔ لاہور۔

شاہ ولی اللہ۔ حجۃ اللہ البالغہ ترجمہ اردو لاہور۔

صبحی محمصانی۔ ڈاکٹر۔ فلسفۃ التشریع الاسلامی۔ بیروت ۱۹۴۶ء۔ اردو ترجمہ مجلس ترقی ادب۔ لاہور۔

عبدالحفیظ صدیقی۔ اسلامی عدل گستری۔ ادارہ ادبیات اردو۔ حیدرآباد دکن۔

عبدالسلام ندوی القضاء فی الاسلام۔ اعظم گڑھ۔ تاریخ فقہ اسلامی ترجمہ تاریخ التشریع الاسلامی مولفہ علامہ الخضری۔

عتیق اللہ۔ ابوحفص محمد۔ حسن المساعی الی نصح الرعیۃ والراعی (اردو)

غلام علی آزاد سبحۃ المرجان۔ مخطوطہ کتب خانہ سعیدیہ۔ حیدرآباد دکن۔

غلام امان خان ترین تاریخ رشید الدین خانی علی گڑھ۔ ۱۲۷۰ھ

کرامت علی محمد دہلوی سیرۃ محمدیہ (باب حجۃ الوداع) حیدرآباد دکن۔

نہاوندی۔ ملا عبدالباقی مآثر رحیمی۔ کلکتہ ۱۹۱۰ء

نوراللہ تاریخ علی عادل شاہ۔ مخطوط کتب خانہ آصفیہ۔

تلقشندی صبح الاعشی۔ الجزء الثالث مطبع امیریہ قاہرہ ۱۹۱۸ء۔

ماوردی۔ امام ابوالحسن۔ احکام السلطانیہ (ترجمہ اردو) جامعہ عثمانیہ حیدرآباد۔

مشرفۃ (عطیہ مصطفیٰ) القضاء فی الاسلام۔ مصر ۱۹۳۹ء

Marfat.com

محمد بن عبداللہ جامی۔	حبل المتین فی احکام السلاطین (اردو) حیدرآباد۔
	النجم الثاقب فی اقضیۃ علی بن ابی طالب (اردو) حیدرآباد۔
محمد علی بن محمد صادق۔	مرآت الصفا۔ ۱۱۷۹ھ۔ کتب خانہ آصفیہ۔ حیدرآباد۔
محمد مرتضیٰ۔	عہد سلف۔ حیدرآباد ۱۳۴۸ھ
محمود بن محمد بن عرفوس۔	قاضی عدالت ہائے شرعیہ مصر۔ تاریخ القضاء فی الاسلام۔ اردو ترجمہ از شیخ محمد احمد پانی پتی۔ لاہور۔
میر عالم۔ ابوالقاسم۔	حدیقۃ العالم۔ حصہ اول۔ حیدرآباد۔

Marfat.com

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (قرآن مجید-۴-۵۸)

برِصغیر پاک و ہند میں اسلامی نظامِ عدل گستری

پروفیسر محمد عبدالحفیظ صدیقی

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی
اسلام آباد